ایران کی سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی صورت حال: عربوں کے حملے سے تیسری صدی ہجری کے آخر تک

ذبیح اللہ صفا / سید حسن عباس*

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا (۱۹۱۱-۱۹۹۹ء) معروف ایرانی محقق اور تہران یونیورسٹی اور ہمبرگ یونیورسٹی (جرمنی) کے ممتاز استاد تھے۔تہران یونیورسٹی میں وہ شعبۂ زبان وادبیات فارسی کے صدر اور دانشکدۂ ادبیات وعلوم انسانی کے پرنسپل بھی رہے۔۱۹۷۸ء میں ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد مستقل طور پر جرمنی چلے گئے اور جرمنی کے شہر لوبک میں انتقال کیا۔ان کے علمی کاموں کی طویل فہرست میں متعدد تصانیف، تدوینات اور تراجم شامل ہیں۔ان کی شہرت دو فارسی تصانیف سے ہے۔''حماسہ سرائی درایران'' اور'' تاریخ ادبیات درایران''۔موخر الذکر کتاب پانچ جلدوں میں ہے (تیسری جلد دو اور پانچویں جلد تین حصوں میں ہے۔گویا کل آٹھ جلدیں ہیں)۔اگرچہ کتاب کے عنوان میں''ایران میں ادب کی تاریخ'' کی تخصیص موجود ہے لیکن اس میں ایران کے قرب وجوار کے علاقوں، بالخصوص برّعظیم پاک و ہند میں فارسی ادب کی تاریخ کو بھی موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔تنقیدی اور تحقیقی اعتبار سے اب تک ایران اور فارسی زبان میں اس سے بہتر کوئی دوسری تاریخ نہیں لکھی گئی۔زیر نظر مقالہ اسی کتاب کے باب اول کا ترجمہ ہے۔

فصل اول: ایران کی سیاسی وسماجی صورت حال ــ غلبۂ عرب سے یعقوب لیث صفّار تک ــ

ظہور اسلام، بعثت پیغمبرؐ (تقریباً ۶۱۱ عیسوی) اور آں حضرتؐ کی مکہ سے مدینہ ہجرت (۶۲۲ء) خسرو دوم اَپرویز (۵۹۰-۶۲۷ء) اور روم کے مشہور بادشاہ ھرقل سے اس کی جنگوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔

اس زمانے میں دو طاقت ور حکومتیں بازنطینی اور ساسانی اس عہد کی متمدن دنیا کے بڑے حصے پر حکمرانی کر رہی تھیں اور عرصے سے دنیا پر تسلط پانے کے لیے ایک دوسرے سے نبرد آزما تھیں۔خسرو اول نوشیرواں کے عہد حکومت سے ہی رومیوں اور ایرانیوں کے مابین جو لڑائیاں شروع ہوئی تھیں اور صرف مختصر مدت کو چھوڑ کر تقریباً ۵۳۹ء سے خسرو اپرویز کے بیٹے قباد دوم کی سلطنت کے آغاز تک یعنی ۶۲۸ء تک جاری رہیں، انھوں نے اس زمانے کی دنیا کی دو بڑی حکومتوں کو خستہ و پامال کر دیا۔قتل عام، رومی و ایرانی شہروں کی لوٹ مار، غارت گیری اور بے پناہ اخراجات نے جو دونوں حکومتوں پر آپڑے تھے نیز سپاہیوں کے جانی نقصان اور ان جیسے دیگر امور نے دونوں طرف کی جنگی قوّت کو بری طرح توڑ کر رکھ دیا

* ناظم، رضا لائبریری رام پور، بھارت

اور بے پناہ کمزور کر دیا۔ جنگی قوت اور دربار کی پراگندگی کے اعتبار سے ایران کے حالات کو سمجھنے کے لیے خسرو اپرویز کی سلطنت کے زمانے سے حملۂ عرب کے آغاز تک حالات پر مختصراً روشنی ڈالتے ہیں۔

جس وقت خسرو اَپرویز، ساسانی حکومت کے تخت شاہی پر بیٹھا، ایران، خسرو کے باپ ہُرمز کے معروف سردار، بہرام چوبین کی بغاوت سے دوچار تھا۔ خسرو نے روم کے بادشاہ موریس (Maurice) سے مدد طلب کی اور اس طرح کھوئی ہوئی حکومت دوبارہ حاصل کی اور حکومتِ روم سے صلح کر لی جو ۶۰۳ء تک برقرار رہی، اسی سال موریس کے قتل کی وجہ سے ایران و روم کے مابین جنگوں کا سلسلہ چل پڑا جو چوبیس سال یعنی ۶۲۸ء تک جاری رہا۔

ان جنگوں سے پہلے خسرو کی فوج کو فتح نصیب ہوئی تھی اور ۶۲۲ء تک ایرانی افواج ایک طرف شاہین کی سرداری میں قسطنطنیہ کے قریب کالسدون (Calcidon) اور دوسری طرف شہر براز کی سرداری میں اسکندریہ تک آگے بڑھ گئیں اور ایران کی شہنشاہیت کو مغرب میں تقریباً عہد ہخامنشی کی سرحد تک بڑھا دیا تھا لیکن اسی سال مشرقی روم کے بادشاہ ہرقل نے متقابل حملے شروع کر دیے اور تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا، یہاں تک کہ جنگ کو ایران میں ڈھکیل دیا اور نینوا تک پیش قدمی کر دی جس کے نتیجے میں تیسفون بھی خطرے میں پڑ گیا۔ اگرچہ خسرو کے سپاہیوں نے اس جنگ میں بڑی پامردی دکھائی تھی لیکن خسرو پر ہرقل کے سپاہیوں کا بے جا خوف و ہراس کچھ اتنا بڑھ گیا کہ وہ فرار ہو گیا اور اگر ایرانیوں نے استقامت و پامردی نہ دکھائی ہوتی تو تیسفون بھی رومیوں کے قبضے میں چلا جاتا۔ لیکن جب اس استقامت نے ہرقل کو تیسفون کے محاصرے سے باز رہنے پر مجبور کر دیا تب وہ آذربائجان پر حملہ آور ہوا۔ اس دوران خسرو جو رومی سپاہیوں سے مقابلے کے وقت فرار ہو گیا تھا، اپنے کچھ سرداروں کے قتل ہونے اور شہر براز سے جان بچانے کی وجہ سے بعض درباریوں کی نفرت کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ ۶۲۷ء میں گرفتار اور ۶۲۸ء میں قتل ہوا اور اس کا بیٹا قباد دوم معروف بہ شیرویہ اس کا جانشین ہوا۔

خسرو اَپرویز کے زمانے کے حادثات کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں سے اس کی ۲۴ سالہ جنگوں کا ساسانی شہنشاہیت کے لیے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا بلکہ اسے کمزور بنانے اور زوال سے ہمکنار کرنے کا سبب بنا۔

خسرو اپرویز کے عہد میں درباری ٹھاٹ باٹ حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے چناں چہ اس کے درباری جاہ و جلال کی ایران میں نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد کوئی مثال ملتی ہے۔ اس کے حرم سرا کی کنیزوں، عورتوں اور گانے بجانے والوں کی تعداد جیسا کہ لوگوں نے لکھا ہے چند ہزار سے زیادہ تھی۔ ایسے عظیم محل سرا اور دربار اور اس کے کثیر اخراجات، بار بار کی لشکر کشیوں کے اخراجات، ایرانی عوام پر خسرو کے ظلم و تعدی کی حکایات بیان کرتے ہیں کیوں کہ خسرو اپرویز جب قید میں تھا تو اُس نے خود دعوا کیا تھا کہ ایران کے خزانے کی دولت کو اُس نے چار گنا بڑھا دیا تھا۔ خسرو اَپرویز نے ساسانی دربار میں بُرائی کا ماحول پیدا کر کے، خودسری اور ظلم و استبداد کو بڑھاوا دیا اور بار بار کی بے نتیجہ جنگوں کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ حکومتِ ایران کو بہت کمزور کر دیا اور زوال کی جانب دھکیل دیا اور سچ تو یہ ہے کہ اُسے ایران میں عہدِ ساسانی کے زوال اور خاتمے کا ایک

سبب سمجھنا چاہیے۔

خسرو کے بیٹے یعنی قباد دوم معروف بہ شیرویہ نے ابتدائے کار میں ہرقل کے ساتھ صلح صفائی کر لی اور بعض ملکی اصلاحات کی کوشش بھی کی لیکن اُس نے بہت جلد اپنا رویّہ تبدیل کر دیا اور اپنے تمام بھائیوں کو قتل کر ڈالا اور اس کا سات سالہ جانشین اردشیر بھی شہر براز نامی ایک سردار کے ظلم وستم کا نشانہ بنا اور موت کے گھاٹ اتر گیا۔ شہر براز بھی دو ماہ حکومت کرنے کے بعد اپنے ہی سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا اور اسی اثنا میں خزر قبیلے نے ازمنستان پر قبضہ جمالیا۔ شہر براز کے قتل کے بعد ساسانی دربار بلکہ ایران کی پوری شہنشاہیت میں ایسا انتشار رونما ہوا کہ خاندانِ ساسانی کے کچھ مرد عورتوں نے یکے بعد دیگرے زمام سلطنت سنبھالی اور ہر ایک نے تھوڑے تھوڑے دنوں تک بادشاہت کی۔ ایسے لوگوں کی تعداد مورخین نے گیارہ بتائی ہے۔(۱) اس طرح ۶۲۸ء یعنی خسرواَپرویز کے قتل کی تاریخ سے یزدگرد سوم کے جلوس (۶۳۲ء) تک یعنی پانچ سال کے دوران ایران پر بارہ افراد نے حکومت کی اور ان کی حکومت کی تاریخ میں سوائے بدامنی اور بغاوت کے کچھ اور نہیں ملتا۔ جب یزدگرد سوم۔ بدحال ملک کے تختِ سلطنت پر بیٹھا تو ملک میں داخلی امن وامان کی بحالی، سیاسی مشکلات کو رفع کرنا، دفتری اور درباری حالت میں سدھار لانا۔ یہ وہ کام تھے جن کو انجام دینے کے لیے کئی برس کی کوششوں کی ضرورت تھی۔ اس عظیم کام کی انجام دہی کے لیے یزدگرد میں ساسانی خاندانی کے دیگر آخری شہزادوں کی طرح لیاقت نہ تھی بلکہ ایرانی سرحدوں پر مسلمانوں کے حملوں کے آغاز اور عظیم جنگوں کے رونما ہونے کی وجہ سے دست رفتہ حکومت کی واپسی کے لیے اس کے اور تمام ایرانیوں کے پاس کوئی موقع بھی نہ تھا۔ ان ایام میں ایران کی سماجی صورت حال بھی سیاسی اور دربار کی صورت حال سے کسی طور بہتر نہ تھی۔ طبقاتی حکومت جو قدیم دور سے ہی ایران میں چلی آ رہی تھی اور ساسانیوں کے عہد میں اس میں بہت شدت آ چکی تھی، اشراف اور علما نیز تیسرے طبقے یعنی تاجروں اور زمینداروں کے درمیان افتراق کا سبب بن چکی تھی۔ عہد ساسانی کے اواخر میں عوام پر اشراف، علما، آزادگان، دہقان اور ان جیسے اعلیٰ طبقوں کے لیے مخصوص ہو گئے تھے اور بقیہ لوگوں کا ٹیکس ادا کرنے اور جنگوں میں شرکت کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ اشراف ارعلما کے طبقے کا اثر نہ صرف تیسرے طبقے پر نمایاں تھا بلکہ وہ لوگ دربار میں بھی بے انتہا اثر انداز ہوتے تھے۔ خاص کر خسرواَپرویز کے بعد حکومتِ ساسانی کی تباہ حالی کی ایک وجہ ہر چیز سے زیادہ مذکور دونوں طبقوں کی دخل اندازی اور سوء استفادہ سمجھی جا سکتی ہے۔ علم حاصل کرنا تقریباً اشراف، علما اور زمینداروں کے خاندانوں تک محدود تھا اور وہ دوسرے لوگ جو اس نعمت سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے مجبوراً اس کے حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی بھی نہیں رکھتے تھے۔ کام دھندے اور عہدے سب موروثی تھے اور کسی کو نچلے طبقے سے اعلا طبقے کی طرف بڑھنے کا حق نہیں تھا۔ عہد ساسانی کے اواخر کی سب سے بڑی کمزوری یا دشواری، جس کے ذکر سے غفلت نہیں برتی جانی چاہیے، وہ مذہبی شدت پسندی اور اختلافِ آرا ہے۔ عہد ساسانی میں قوم کا عام اور سرکاری مذہب، مذہب زرتشتی علما خاص کر موبدانِ موبد کا دربار میں بہت اثر ورسوخ تھا۔ ملک

کے امور میں علما کا اثر اتنا تھا کہ اگر قباد جیسے بادشاہ کو زرتشتی مذہب یا اپنے اثرات کا مخالف سمجھتے تھے تو اس کی مخالفت بھی کرتے تھے اور اس کی فرماں روائی اور اقتدار کی راہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کر دیتے تھے حتی اس قسم کے معاملات میں ان کے لیے بادشاہ کو معزول کر دینا بھی کوئی مشکل کام نہ تھا۔ ایسی حالت میں اور ان تمام اثرات کے پیش نظر جو ملک میں موبدان اور ھیربدان رکھتے تھے، شاید ان کے ناروا سلوک اور دباؤ یا مذہب زرتشت کی قدامت کے نتیجے میں، اس کے ماننے والوں کے درمیان بہ تدریج اختلاف شروع ہونے لگا اور روز بروز اس میں شدت آتی گئی۔ ایرانیوں کا زرتشری مذہب سے اختلاف خاص کر ان ایّام میں شروع ہوا جب عیسائیت نے ایران میں اپنے پاؤں پھیلائے۔ ساسانی حکومت میں عیسائیت کے اثرات سب سے پہلے شہر رہا اور نصیبین میں ملتے ہیں اور فیروز کی حکومت کے زمانے سے بعد تک رہا میں قائم ایرانی مدرسوں کے زعمانے نسطوریون کے عقائد قبول کیے اور رہا اور رومیوں کی قلم رو سے اخراج کے بعد نصیبین میں پناہ گزیں ہوئے۔ اس مذہب نے ایران میں زور پکڑا اور یہاں تک کہ رومیوں کے برخلاف ساسانی بادشاہوں کی طرف سے اس کی تقویت کی گئی اور ایران کے بہت سے علاقوں اور ماوراء النہر کے بعض شہروں میں نسطوریوں کے کلیسے قائم کیے گئے اور یہ بچے کھچے عیسائی، اسلامی عہد میں تقریباً پانچویں صدی ہجری تک ایران کے بہت سے مشہوروں میں بڑی تعداد میں رہتے تھے۔

ایران میں عہد ساسانی میں دوسرا غیر ملکی مذہب جس نے نفوذ پیدا کیا، وہ بودھ مذہب تھا، جس کے ماننے والے ساسانی حکومت کے مشرق میں منتشر تھے اور ان کا سب سے اہم بت کدہ بلخ کا 'نوبہار' تھا جس کے سربراہ برمک کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ دراصل اس بتکدہ کے دیکھ ریکھ برمکی خاندان کے سپرد تھی۔ داخلی سطح پر ادیان و مذاہب کا ظہور مثلاً دین مانوی (شاپور کی سلطنت کے آغاز میں) دین مزدک (عہد قبا میں) زروانی و کیومرثی مذہب بھی اس زمانے کے ایرانیوں میں نئی شدت پسندی کا باعث بنے۔

ان باتوں کے پیش نظر واضح ہے کہ ایرانی معاشرہ حملۂ عرب کے وقت بدحالی کا شکار تھا اور سیاسی، سماجی، درباری، فوجی، مذہبی امور میں بدنظمی نمایاں تھی جس نے ساسانی حکومت کو شکست سے دوچار اور ایران کی عظیم شہنشاہیت کو زوال سے ہم کنار کیا۔

عربوں کا حملہ: ان حالات میں ایران پر عربوں کے حملے کی شروعات ہوتی ہے۔ عرب قوم جیسا کہ ہم جانتے ہیں قبل از اسلام مختلف قبیلوں پر مشتمل تھی جن میں کبھی بھی اتحاد نہیں تھا۔ ان کی زندگی کے بیش تر ایام ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے میں گزرتے تھے۔ ان مختلف منتشر قبیلوں کے کچھ مراکز بھی تھے جیسے یمن میں مملوک حمیر کی حکومت، شام کی طرف آل غسّان اور حیرہ میں مناذرہ کی حکومتیں تھیں اور ان حکومتوں کی قلم رو کے درمیان بھی کچھ قبائل رہتے تھے جن میں سب سے اہم حجاز میں قبیلۂ قریش تھا۔ اس قبیلے سے پانچویں صدی کے وسط میں قصی بن کلاب بن مرہ نامی ایک ذہین اور چالاک شخص نے کعبہ کی پردہ داری کا عہدہ سدانت حاصل کیا جو عرب کا سب بڑا بت کدہ اور معبد تھا۔ اور اس کے بعد یہ

عہدہ (سدانت) اور درواقع حکومتِ مکہ قریش کو حاصل ہوگئی اور تمام عرب قبائل میں اس قوم کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی چناں چہ اسے عرب قبائل کی سرداری حاصل ہوئی۔

قبل از اسلام عرب میں، تین اہم مذاہب صبائی، یہودی اور نصری مشہور تھے، ان کے علاوہ بیش تر قبائل مختلف خداؤں اور بُتوں یا اصنام کی پرستش کرتے تھے، جن میں سے بعض کے نام لات، منات، عزیٰ بہت مشہور ہیں۔ یہ بُت کعبے میں یعنی مکے کے معروف بت کدے میں جمع کیے گئے تھے۔ یمن اور حیرہ میں ایرانیوں کے اثر و نفوذ کی بدولت ان کے بعض مذہبی عقاید و رسوم مذکورہ مراکز کے قریب کے بعض عربوں میں بھی سرایت کر گئے تھے۔

ایسے ماحول میں پیغمبر اسلام ﷺ نے ۶۱۱ء میں چالیس سال کی عمر میں لوگوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کیا اور انتہا پسند عربوں کو مختلف مذاہب سے علاحدگی، وحدتِ کلمہ، اتفاق و اتحاد اور برادری و برابری اختیار کرنے کی دعوت دی۔ بہت عرصے تک قریش کے تعصب کے سبب حالاں کہ آپ خود اسی قبیلے سے تھے، سخت جدوجہد سے کام لینا پڑا گو کہ مکے میں تھوڑے ہی سہی، مگر آپ کے ماننے والے بھی تھے تاہم آپ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ یثرب کی طرف مہاجرت کرنا پڑی اور وہاں آپ نے قیام فرمایا، جسے بعد میں مدینۃ النبی (مدینہ) کہا گیا۔ (۶۲۲ء/ پہلا ہجری سال) اس کے بعد دین اسلام تیزی سے جزیرۂ عرب میں پھیل گیا چناں چہ ہجرت کے گیارہویں سال جو حضرت رسول اکرم ﷺ کی رحلت کا سال ہے، عرب سے باہر دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کے پروگرام پر عمل درآمد شروع ہوگیا تھا۔

حضرت رسول ﷺ کی رحلت کے بعد اگرچہ عرب میں شدید اندرونی اختلافات شروع ہوگئے تھے لیکن وہ جلد ہی ختم ہوگئے اور اسلامی حکومت کافی طاقت ور ہوگئی چناں چہ اس نے غیر عرب علاقوں کی تسخیر کے لیے، حضرت رسولؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں جو پروگرام مرتب کیا تھا، اس پر عمل درآمد شروع کر دیا اور مجاہدین کے دستے کو روم و ایران کی جانب روانہ کیا۔

جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا کہ دو شہنشاہیتیں، مشرقی روم اور حکومت ایران، ان ایّام میں طویل جنگوں اور داخل مسائل کے نتیجے میں شدید کم زوری سے دوچار تھیں اور ہر اعتبار سے ان کے زوال و شکست اور خاتمے کے لیے حالات مہیا تھے۔ لیکن اس کے برعکس ان حملوں اور فتوحات میں عربوں کو چند چیزوں کی مدد بھی حاصل تھی جن میں سب سے اہم اتحاد، قناعت، اسلامی تعلیمات، تکالیف برداشت کرنے کی عادت، نظم و ضبط اور عزم و حوصلہ، صحراؤں اور راستوں کو تیزی سے طے کر لینا، سواری میں مہارت، مضبوط اور طاقت ور افراد کی موجودگی، جن کی تربیت دنیا کے ایک عظیم انسان نے کی تھی اور ان جیسے دیگر عوامل بھی شامل ہیں۔

جب یہ سارے عوامل و عناصر یکجا ہوگئے تو مختلف جنگوں میں مسلمانوں کی فتوحات اور قلیل مدت میں ان کی پیش رفت سامنے آنے لگیں، چناں چہ حضرت عمرؓ کے دس سال سے کچھ زائد دورِ خلافت میں شام، فلسطین، مصر، عراق اور ایران کے

ایک حصے کو فتح کر لیا گیا اور فتوحات کا یہ سلسلہ خلافتِ حضرت عثمان اور بنی امیہ کے دور میں بھی بدستور جاری رہا۔

جس بات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ عربوں اور مسلمانوں کا بیش تر نفوذ تیسرے طبقے پر تھا یعنی ایرانیوں کا وہ طبقہ جو ناراض تھا۔ ورنہ ایرانیوں کا اعلا طبقہ، علما، آزادگان اور زمینداروں نیز لوگوں کا ایک بڑا گروہ جو زرتشتی مذہب کے تحفظ میں تعصب سے کام لیتا تھا، اِن پیش رفتوں کو بغض وعناد کی نظر سے دیکھتا تھا اور اسی گروہ اور اس کے باقیات نیز تبلیغات نے دوسری بار ایک صدی کے بعد، ملتِ ایران کی آزادی اور عربوں کی معنوی شکست کے اسباب فراہم کیے۔

مشرقی روم کے ممالک میں مسلمانوں کی پیش رفت، قسطنطنیہ پہنچنے سے پہلے متوقف ہوگئی لیکن ایران میں سعد بن وقاص کی سرداری میں جنگِ قادسیہ (ہجرت کا چودھواں سال)، ہاشم بن عتبہ وقعقاع بن عمرو کی قیادت میں جنگ رستم فرخزاد وجلولا (۱۶ھ) اور نعمان وفیروزان کی سرداری میں جنگِ نہاوند معروف بہ فتح الفتوح (۲۹ھ) اور ایران کے مختلف علاقوں اور شہروں کو فتح کرنے کے لیے لڑی گئیں مختلف چھوٹی بڑی جنگوں نے ساسانی شہنشاہیت کے عظیم قصر کو مسمار کر دیا اور ملتِ ایران، سرداری کے بجائے غلامی میں جا پڑی۔

البتہ جنگِ نہاوند کے بعد ایران کے اکثر شہروں، علاقوں اور پہاڑیوں میں مختصر اور طویل استقامت کا مظاہرہ ضرور ہوا سپاہِ عرب کو اس آسانی سے جیسا کہ سوچا جا رہا تھا، تمام ایران پر فتح حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ملی اور دریائے جیحون کے اس پار تک پورے ایران پر فتح حاصل کرنے کا سلسلہ، خلافتِ بنی امیہ کے اواسط تک چلا اور طبرستان، دیلمان، گیلان اور دماوند جیسے بعض علاقے اور ماوراء النہر کے بعض علاقوں میں بھی ایرانیوں نے خلافتِ بنی عباس کے دور تک شدید مقابلہ کیا لیکن ان انفرادی مقابلوں کا اس وقت کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا جب ایران کے شاہی مرکز پر قبضہ ہو گیا اور حکومتِ ایران کا خاتمہ ہو گیا تو دیگر (علاقائی حکومتیں) یکے بعد از دیگرے مٹتی گئیں۔

ان تمام جنگوں کے دوران جو عرب اور مقامی ایرانی سپاہیوں کے درمیان ہو رہی تھیں، یزدگرد شہر یار ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتا پھر رہا تھا۔ وہ مدائن سے رَے اور وہاں سے اصفہان، پھر وہاں سے کرمان اور پھر بلخ فرار ہو گیا۔ اور فغفور چین او خاقانِ ترک سے مدد کی درخواست کی۔ لیکن انھوں نے اس کی مدد نہیں کی۔ اور وہ ۳۱ ہجری (۶۵۲ء) میں حضرت عثمان کے دور خلافت میں مَرو میں آسیابان کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا حالاں کہ اگر وہ زندہ رہ جاتا تو ممکن تھا کہ حضرتِ عثمان کے عہد خلافت کے اواخر میں پیدا ہونے والی تساہلی کے سبب مقابلہ آرائی کرتا۔

یزدگرد کے قتل کے بعد اس کے بیٹے فیروز سوم نے ایران کا شہنشاہیت اعلان کیا، اس نے کچھ دنوں تک عرب حملہ آوروں سے مقابلہ بھی کیا لیکن کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ وہ چین بھاگ گیا اس کے بعد بھی تقریباً ۷۳۲ عیسوی (۱۱۴ھ) تک یزدگرد سوم کے جانشین، تواریخ چین میں بادشاہان ایران، کے نام سے یاد کیے گئے جو چین کے شاہوں کے پاس پناہ گزیں کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔

فتح الفتوح سے قیام ابومسلم تک (۲۱-۱۲۹ھ)

خلیفۂ اسلام حضرت عمر ۲۳ ہجری میں ایک غلام کے ہاتھوں جس کی کنّیت ابولؤلؤ تھی، شہید کر دیے گئے اور ان کے بعد حضرت عثمان ۳۵ ہجری (۶۵۶ء) تک خلیفۂ مسلمین رہے۔ ایران میں حضرت عمر کی شہادت کی خبر جیسے ہی پھیلی، ایران کے اکثر شہروں اور علاقوں میں شورش اور بغاوت شروع ہوگئی لیکن ان بغاوتوں کی قیادت لائق ایرانی سرداروں کے ہاتھوں میں نہ ہونے سے ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا اور وہ تمام علاقے جو عارضی طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے، انھیں دوبارہ حاصل کرلیا گیا۔ خلیفہ کی جانب سے بصرہ کے گورنر ابن عامر کو مامور کیا گیا کہ وہ ایران کی فتح کا سلسلہ جاری رکھے۔ اس نے فارس، قہستان اور خراسان پر حملہ کر دیا اور ان تمام علاقوں کو بہ آسانی حاصل کرلیا۔ اسی اثنا میں یزدگرد کے قتل ہونے کی خبر پھیلی۔ ابن عامر نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ جیحون تک پہنچ گیا۔ اس کے سرداروں نے کابل کا رخ کیا اور اسی راستے سیستان و کرمان پر حملہ کر کے ان علاقوں کو بھی فتح کرلیا۔

۳۵ ہجری میں حضرت عثمان کی شہادت اور حضرت علی کے خلیفہ منتخب ہونے نیز مسلمانوں کے مابین اندرونی اختلافات رونما ہونے سے ایران میں مسلمانوں کی پیش رفت تھم سی گئی۔ حتی مسلمانوں کے داخلی اختلافات، ایران تک پہنچ گئے چناں چہ ۳۸ ہجری میں خریت بن راشد الناجی نامی ایک عرب سردار، جنوبی ایران میں حضرت علی بن ابی طالب کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ایرانیوں کے ایک گروہ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابیہ کو حضرت علیؑ نے حکومتِ فارس سونپ دی، جس نے خرّیت کے فتنے کو دبا دیا۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں حضرت علی بن ابی طالبؑ کی شہادت (۴۰ ہجری/۶۶۱ء) کے بعد آپ کے فرزند امام حسن نے مختصر مدت کے بعد خلافت سے کنارہ کشی کرلی اور حکومت کو اپنے سب سے بڑے حریف امیر معاویہ کے حوالے کر دیا۔ یہاں سے اسلامی حکومت کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جو ۱۳۲ ہجری (۷۵۰ء) تک جاری رہتا ہے۔ امیر معاویہ کی خلافت کے آغاز میں یعنی ۴۱ ہجری میں ہرات میں اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت ہوئی لیکن بہت جلد دبا دی گئی۔ زیاد بن امیہ کو جو عہد علی بن ابی طالب میں فارس کا گورنر تھا، امیر معاویہ کے دور میں بصرہ اور کوفہ کی حکمرانی ملی اور اُس کا دائرۂ اقتدار، حکومتِ اسلامیہ کے مشرقی علاقوں تک پہنچ گیا۔ انہی برسوں میں مسلمان، سندھ کی طرف سے آئے اور جیحون پار کر کے اُس طرف کے بعض علاقوں کو فتح کرلیا۔ بعض عرب قبائل نے بھی ان ہی ایام میں ایران کے مختلف علاقوں خاص کر خراسان کی جانب مہاجرت کی۔

امیر معاویہ کے بعد عبدالملک کے عہد تک ایران کے مرکزی اور مشرقی علاقوں میں انقلابات اور شورشیں رونما ہوئیں جن میں سے ایک خاقانِ ترک کی ہمراہی میں ملکۂ بخارا کی بغاوت تھی جسے سلم بن زیاد نے کچل دیا۔ دوسری بغاوت موسیٰ بن عبداللہ بن خازم کی ہے جس نے ترمذ کو فتح کیا اور پندرہ سال وہاں آزادی کے ساتھ حکومت کی۔ ولید بن عبدالملک

(۸۶-۹۶ھ) کے عہد میں معروف عرب سردار قتیبہ بن مسلم باہلی نے ایران کے مشرقی علاقوں میں بڑے حملے کیے اور بلخ، بخارا، طخارستان، فرغانہ، بیکند، خیوہ اور سمرقند اور بعض دیگر علاقوں کو فتح کر کے کاشغر تک پیش قدمی کی۔ اس سردار نے ولید کی وفات اور سلیمان کی جانشینی کے بعد بغاوت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا مگر مارا گیا۔ اس کے بعد یزید بن مہلّب کو خراسان کی حکومت ملی۔ اس نے وہاں کے امور سے فراغت کے بعد، گرگان پر حملہ کیا، جو اب تک آزاد تھا۔ اس نے گرگان فتح کر لیا۔ اب مازندران پر حملہ آور ہوا اور ساری کو فتح کرنے کے بعد دشمن کا تعاقب کرنے کے دوران ایک دَرّے میں پھنس گیا۔ اس کے سپاہیوں کا ایک بڑا دستہ نابود ہو گیا اور بالآخر تین لاکھ دینار دے کر اپنی جان بچائی اور گرگان واپسی کے وقت وہاں کے محافظوں کی بغاوت سے دو چار ہوا اور سات مہینے تک جنگ و جدل میں مشغول رہنا پڑا۔ لیکن جب اس نے فتح حاصل کر لی تو گرگانیوں کی بڑی تعداد کو قتل کروا دیا اور چوں کہ اس نے قسم کھائی تھی کہ گرگانیوں کے خون سے چکّی چلوائے گا لہٰذا بہت سے بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ایران میں بنی امیہ کے کارندوں کے یہ اعمال، سختیاں اور بے پناہ مظالم، ایرانیوں کی ناراضگی کا سبب بنے اور روز بہ روز ان کی ناراضگی بڑھتی گئی۔ اگرچہ عمر بن عبدالعزیز (۹۹-۱۰۱ھ) کے حکم سے کچھ مدت تک ایرانی مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا گیا حتی زرتشتی بھی مسلمانوں کی پناہ میں آ گئے تھے اور اپنی مذہبی رسومات کی ادائی کے لیے انھیں آزادی حاصل ہو گئی تھی تاہم ایرانیوں کا غم و غصہ آسانی سے فرو ہونے والا نہیں تھا اور مشرقی ایران کے کسی علاقے میں ہمہ وقت شورش اور بغاوت ہوتی رہتی تھی جو اموی حکومت کو کمزور بنانے اور اس کے خلاف بڑا انقلاب برپا کرنے کا سبب بن رہی تھی۔ یہ درحقیقت خاندان عباسی کے لیے زمین ہموار ہو رہی تھی جو بنی امیہ کا سب بڑا حریف تھا۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان اختلاف مشہور ہے اور یہ اختلافات خاص کر حضرت علیؓ اور اولادِ علیؓ کے سلسلے میں امیر معاویہ اور یزید کے مظالم کے بعد بہت شدید ہو گئے تھے اور اس نے اس قدر طول پکڑا کہ حکومت بنی امیہ کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ ایران، بنی ہاشم کا ایک قابل اعتماد اور اہم مرکز تھا جہاں وہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ اپنے پیروکاروں میں بھی اضافہ کر رہے تھے۔ اس کی چند وجوہ ہیں جن میں ایک بنی امیہ اور اس کے حکمرانوں کی حکومت اسلامیہ کے تابع بالخصوص ایرانی عوام پر حجاج بن یوسف ثقفی، قتیبہ بن مسلم باہلی اور یزید بن مہلّب بن ابی صفرہ جیسے لوگوں کے عجیب طریقے سے ڈھائے گئے مظالم تھے۔ یہ بات بنی امیہ سے ان کی دوری اور بنی ہاشم جیسے اس کے حریف سے قربت کا باعث بنی۔ دوسرے یہ کہ بنی امیہ کی سیاست، عرب کی سرداری اور محکوم اقوام خاص کر ایرانیوں کی تحقیر پر مبنی تھی اور یہ چیز جیسا کہ ہم دیکھیں گے، ایرانیوں کے ہاتھوں اُن کی زبردست شکست کی وجہ بنی۔ ایک بات اور، ملت ایران کا نسلی حکومت اور حکومت اسلام کے لیے بنی ہاشم کو مستحق سمجھنا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانیوں نے ہمیشہ بنی ہاشم کا ساتھ دیا۔ چاہے وہ آلِ ابوطالب ہوں یا آلِ عباس۔ اور بنی ہاشم کی بیش تر جدوجہد، ممالک اسلامیہ کے مشرقی اطراف یعنی تقریباً ایران میں ہی

انجام پذیر ہوئی۔ چنانچہ ۱۲۱ اور ۱۲۲ھ میں زید بن علی بن حسین نے کوفہ کی حدود میں خروج کیا اور ان کی شہادت کے بعد ان کے ایک دوست نے ان کے فرزند یحییٰ کو خراسان چلے جانے کا مشورہ دیا کیوں کہ اہل خراسان ان کے ماننے والے تھے۔(۱) اسی طرح جعفر بن ابوطالب کی اولاد میں عبداللہ بن معاویہ نے ۱۲۷ اور ۱۲۹ھ کے درمیانی برسوں میں فارس، اصفہانی، رَے اور قُم میں اپنے طرف دار پیدا کر لیے۔ ان سب سے بڑھ کر جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ آلِ عباس نے جو بنی ہاشم کا ہی ایک گروہ تھا، اپنے ایرانی طرفداروں کے ذریعے بنی امیہ سے خلافت چھین لی۔

ہجرت کے سویں سال میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب نے جو ملک شام کے بَلقا کے علاقے شراۃ کے حمیمہ نامی مقام میں رہ رہے تھے، ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ سے ملاقات کی۔ ابوہاشم بن محمد جو اس وقت سلیمان بن عبدالملک سے ملاقات کر چکے تھے حمیمہ گئے اور وہاں محمد بن علی سے ملاقات کی اور کہا میرے بعد، تمہارے فرزندوں کو دعوت دی جاتی ہے اور وہ اپنے ان دوستوں اور طرف داروں سے جو خراسان وعراق سے اُن کے پاس آتے تھے، یہ بات کہیں اسی لیے ابوہاشم کے بعد اُن کے طرف داروں نے محمد بن علی کی بیعت کی اور انھوں نے بعد میں ان علاقوں میں مبلغین بھیجے اور بارہ نقیبوں کا انتخاب کیا اور اپنی ولایت کے مختلف علاقوں میں انھیں بھیجا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اولادِ عباس نے اس بہانے سے کہ اولادِ ابوطالب اُن کے مفاد میں اپنے حق سے دستبردار ہوگئی ہے، دعوت وپیش رفت کی بنیاد رکھی اور بالفاظ دیگر آل ابوطالب کی مقبولیت ومحبوبیت کا استعمال اپنے مفاد میں کیا۔

ابومسلم کے قیام سے یعقوب بن لیث (۱۲۹-۲۵۹ھ) کی حکومت تک:

ان ایام میں حکومت بنی امیہ اپنے آخری انجام کو پہنچ گئی۔ اسلامی ممالک میں انتشار واضطراب پایا جاتا تھا اور مخالفین ہر روز کسی نہ کسی گوشے سے قلمِ بغاوت بلند کرتے تھے خاص کر ایران میں جہاں متعدد بغاوتیں اور تحریکیں انجام پا چکی تھیں۔ بنی عباس نے ایسے پراگندہ ماحول میں اپنی مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا۔ انھوں نے موالیوں یعنی غیر عرب لوگوں خاص کر ایرانیوں کی ناراضی کا بھرپور فائدہ اٹھایا جو بنی امیہ اور ان کے حکمرانوں کی توہین وتحقیر کا نشانہ بنے تھے۔ انھوں نے اپنی تحریک کے لیے ایسے لوگوں سے امداد طلب کی۔ ایرانیوں میں اہل خراسان جنھوں نے اپنی مقابلہ آرائی کے سبب اور ان نقصانات، مظالم اور اہانتوں کے پیش نظر جو انھوں نے برداشت کی تھیں، بنی امیہ کی مخالفت اور بنی ہاشم کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بنی عباس کی اتحاد کی دعوت بھی، دوسری جگہ سے زیادہ اسی علاقے میں کامیاب ہوئی۔ ان ہی ایام میں ابراہیم بن محمد بن علی نے جو عباسیوں کے امام اور دعوتِ اتحاد کے داعی نیز ابراہیم کے نام سے جانے جاتے تھے اور خود کو بزرجمہر حکیم کی اولاد میں بتاتے تھے، ایک باصلاحیت نوجوان ابومسلم عبدالرحمن بن مسلم مرو رودی کو خراسان میں اپنے حامیوں اور پیروکاروں کا سردار مقرر کیا اور اس انتخاب کی اطلاع کوفہ میں آلِ عباس کے وزیر وداعی ابوسلمہ خلّال کو بھی دے دی۔ اس وقت خراسان میں نصر بن سیار والی بنی امیہ کی حکومت تھی جو اپنی فتوحات اور لیاقت

ودرایت کے باوجود اُن خانہ جنگیوں میں پھنسا ہوا تھا جو دیگر اسلامی ممالک کی طرح خراسان میں پھیل چکی تھیں۔ یہ لڑائیاں ۱۲۶ھ سے نصر بن سیار اور اس کے مخالفین یعنی مضریہ و یمانیہ کے مابین ہو رہی تھیں اور بہت شدید تھیں۔ ان حالات میں بنی عباس کو خراسان میں اپنی دعوت کو عام کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ لوگوں کو 'الرضا من آل رسول' یا الرضا من آل محمدؐ کی دعوت دیتے تھے اور ان کے گماشتے، خراسان کے قصبوں، دیہاتوں بلکہ گاؤں گاؤں میں خفیہ طور پر اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ ۱۲۹ھ میں ابراہیم بن محمد کی جانب سے ابومسلم کو اپنی دعوت کا اعلان کرنے کا حکم ملا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو خراسان کے گاؤں گاؤں میں بھیجا اور رمضان کے مہینے سے اعلانیہ دعوت کا اہتمام کیا۔ مختلف علاقوں کے عوام جنھوں نے بنی عباس کے مبلغین کی دعوت قبول کی تھی، مرورود کے ایک گاؤں 'اسفیذ نج' میں اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اس نے وہ علم جو ابراہیم بن محمد نے اس کے لیے بھیجا تھا، پہرایا اور آشکارا دعوت دی اور نصر بن سیار کو جوان ایام میں یمانیہ میں خانہ جنگی میں مصروف تھا، خط بھیج کر اپنی اطاعت کی دعوت دی۔ جب نصر کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے یزید نامی ایک موالی کو اس سے جنگ کے لیے بھیجا۔ اُس وقت تک ابومسلم کے قیام کو اٹھارہ مہینے ہو چکے تھے۔ اس سردار کو معمولی سی لڑائی میں شکست دے کر قیدی بنالیا گیا۔ ابومسلم نے اس کے زخموں کا علاج کروایا اور اس کو چھوڑ دیا لیکن اس وعدے پر کہ اگر اس سے ابومسلم اور اس کے حامیوں کے بارے میں کوئی کچھ پوچھے تو وہ سوائے سچ کے کچھ اور نہ کہے۔ یزید جب نصر کے پاس پہنچا تو کہا کہ ابومسلم اور اس کے حامیوں پر بُت پرستی اور جان و مال کو حلال سمجھنے کا الزام عائد کرنا سراسر غلط ہے۔ وہ لوگ صحیح طریقے اور خدا کے دین پر کاربند ہیں۔ اس کے بعد ابومسلم اور اس کے حامیوں کی تحریک نے زور پکڑا اور اس نے خراسان کے شہروں کو فتح کرنا شروع کیا۔ اس دوران ابومسلم نے نصر کے مخالفین کے سردار یعنی کرمانی سے ساز باز کر لی اور نصر کے ہاتھوں کرمانی کے قتل کے بعد، اس کے بیٹے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور نصر کی مشکلات میں اور اضافہ کر دیا۔ نصر نے بھی ابومسلم کے خروج اور اس کے قدرت عمل کی اطلاع اموی خلیفہ مروان کو دی اور اس وقت خراسان میں رہنے والے تمام عرب قبائل کو ابومسلم کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی گئی لیکن ابومسلم بدستور پیش رفت کرتا رہا اور خراسان کے شہر ایک کے بعد ایک اس کے قبضے میں آتے گئے۔ ۱۳۰ھ میں ابومسلم 'ماخوان' سے جہاں 'اسفیذ نج' سے پہنچا تھا، مَرو کو روانہ ہوا۔ اس نے کچھ لوگوں کو نصر کے پاس بھیجا اور اسے 'کتاب اللہ' اور 'الرضا من آل محمدؐ' کی دعوت دی۔ جب نصر نے دیکھا کہ وہ ایک طرف سے یمانیہ اور ربیعیہ اور دوسری طرف سے ایرانیوں سے گھر گیا ہے تو راتوں رات مَرو سے فرار کر گیا۔ اس کے فرار ہونے کی اطلاع پا کر ابومسلم اس کی لشکر گاہ میں گیا اور اس کے بہت سے امرا کو گرفتار کر لیا۔

ان حالات کے دوران ابومسلم نے کرمانی بیٹوں علی و عثمان کو جو عارضی طور پر اس سے مل گئے تھے، قتل کر ڈالا اور نہایت تیزی کے ساتھ اپنے بعض سرداروں منجملہ قحطبہ بن شبیب کی مدد سے خراسان، مشرقی ایران کے شہروں، عراقی عجم اور گرگان پر قبضہ کر لیا۔ نصر بن سیار کو، اس لایق سردار (ابومسلم) سے دو مقامات پر شکست ہوئی۔ ایک نیشاپور میں اور دوسری گرگان میں۔

اس کے بعد اس نے ہزیمت اختیار کر لی اور ۱۳۱ھ میں ساوہ میں فوت ہو گیا۔ اس طرح ایران میں اموی حکومت کا سب سے بڑا مدافع ختم ہو گیا۔ قحطبہ کو رَے میں اس لشکر کا سامنا کرنا پڑا جسے مروان نے ابومسلم کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا۔ مروان کے فرستادہ لشکر کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد وہ نہاوند تک گیا اور وہاں سے کوفہ پر حملہ آور ہوا اور یہاں عراق میں مروان کے گماشتے یزید بن عمر بن ھبیرہ سے ایسی زبردست لڑائی ہوئی جس میں اگرچہ وہ (قحطبہ) مارا گیا لیکن فتح بنی عباس کے حامیوں کو ہی نصیب ہوئی۔

قحطبہ نے مرنے سے قبل اپنے لشکر کے سرداروں سے کہا تھا کہ جب کوفہ پہنچو تو وہاں ابوسلمہ خلّال وزیر آل محمد ہے، معاملہ اس پر چھوڑ دینا۔ قحطبہ کے بعد اس کے بیٹے حسن کو اس کی جگہ لشکر کی سرداری ملی اور اس نے ویسا ہی کیا۔

ان واقعات سے کچھ پہلے ابراہیم بن محمد امام کا اموی خلیفہ مروان کے حکم سے مقیّد و محبوس کر دیا گیا تھا جس کے بعد مروان نے جو اب بنی عباس کی کارروائیوں سے غفلت نہیں برت سکتا تھا، اس کے بھائی یعنی ابوالعباس عبداللہ بن محمد کو جو بعد میں سفّاح کے نام سے مشہور ہوا، بلانے کے لیے ایک شخص کو بھیجا اور وہ مجبوراً اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور اپنے بھتیجوں عبدالوہاب و محمد (فرزندان ابراہیم و عمان) اور داود، عیسیٰ، صالح، اسمٰعیل، عبداللہ و عبدالصمد (فرزندان علی بن عبداللہ بن عباس) اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ کوفہ کو فرار کر گیا۔ اُس وقت خراسان کی فوج کوفہ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ ابوسلمہ خلّال نے جو ایرانی اور کوفہ میں بنی عباس کا داعی تھا اور وزیر آل محمد کے نام سے مشہور تھا، انھیں اپنے ایک حامی کے مکان میں چُھپا دیا اور تقریباً چالیس دن تک ان کی آمد کی خبر کو پوشیدہ رکھا۔ اس اقدام سے اس کا مقصد یہ تھا کہ شاید کوئی آلِ علی کو خلافت کے لیے منتخب کر لے۔ اس نے لوگوں کو تین خط بھجوائے۔ ایک جعفر صادق کو، دوسرا عبداللہ بن حسن بن حسین کو اور تیسرا عمر بن زین العابدین کو۔ لیکن کسی نے بھی خلافت قبول نہیں کی اور جب اسی دوران ابومسلم کی فوج کوفہ پہنچی اور مَروان کے ہاتھوں ابراہیم کے قتل ہونے کی خبر پھیلی تو آلِ عباس کے طرف داروں کے دباؤ میں آ کر ابوالعباس عبداللہ کو جسے ابراہیم نے اپنا جانشین بنایا تھا، خلافت کے لیے منتخب کر لیا گیا (۱۳۲ھ)۔ ابوسلمہ، حسن بن قحطبہ اور عباسی خلیفہ ابوالعباس عبداللہ بن محمد نے تختِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلے اموی خلیفہ مروان بن محمد بن مروان بن الحکم کی طرف متوجہ ہوئے اور سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کی سرداری میں ایک لشکر اس سے جنگ کے لیے بھیجا۔ مروان کو زاب کے ساحل پر زبردست شکست ہوئی۔ وہ مصر کے مقام بوصیر میں ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کو قتل کر دیا گیا۔ اس طرح ایرانیوں نے حکومت بنی امیہ کا خاتمہ کر دیا اور حکومتِ بنی عباس کا سلسلہ ان کی مدد سے شروع ہوا یہ شکستِ نہاوند (فتح الفتوح) کے بعد ایرانیوں کی پہلی فتح ہے۔(۱)

اس کے بعد بنی عباس نے ۶۵۶ھ تک مروحیلہ، فریب اور ہر اس شخص کے ساتھ عہد شکنی کے ذریعے جس نے ان کی خدمت کی تھی، پورے اسلامی ممالک پر حکومت کی۔ ان کے زمانے میں اسلامی ممالک کے حصے بخرے ہوئے۔ ایران میں جیسا

کہ دیکھیں گے اور ان حادثات وواقعات کے سبب جو آگے آئیں گے، مستقل سلسلے وجود میں آئے۔ اندلس کو بنی امیہ کے ایک گروہ نے دیگر اسلامی ممالک سے الگ کر دیا۔ فاطمیینِ مصر کو اپنے زیر اقتدار کرلیا گیا۔ حتی کچھ عرصے تک بغداد کو بھی اپنا ہدف بنایا۔

عہد عباسی کو دو نمایاں ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ترقی اور عظمت کا دور۔ یہ دور، مامون کے عہد حکومت کے آخر (۱۳۲ - ۲۱۸ھ) تک برقرار رہا۔ دور دوم، انحطاط اور زوال کا دور ہے۔ یہ خلافت کا سلسلہ معتصم کے آغاز سے حکومت عباسی کے خاتمے (۲۱۸-۶۵۶ھ) تک جاری رہا۔ دور اول، ایرانیوں کے غلبے اور دربار بنی عباس میں ان کے زبردست اثر ورسوخ کا مظہر ہے۔ لیکن معتصم کی خلافت کے زمانے سے ہی ترکوں کے تسلط اور ایرانیوں کی شکست کی تمہید فراہم ہوگئی تھی۔ اس طرح کہ معتصم نے اپنے سرداروں اور سپاہیوں کا انتخاب ترکوں میں سے کیا تھا گو کہ اس کے اس عمل پر عرب بدستور خاموش رہے لیکن ایرانی بھی بتدریج دربارِ بنی عباس کے سیاسی میدان سے باہر ہوگئے۔ انھیں پھر یہ اقتدار اور غلبہ، بغداد پر آل بویہ کے تسلط کی وجہ سے محدود مدت کے لیے حاصل ہوا جو پانچویں صدی کے نصف اول میں سلجوقیوں کے تسلط کے بعد ختم ہوگیا۔ بنی عباس کے دربار میں ترکوں کا نفوذ، خلافتِ عباسیہ کی بیخ کنی اور ان کے زوال کے آغاز کی ایک اہم وجہ ہے اور اسی عہد کے بعد سے بہ تدریج اسلامی ممالک کا بٹوارہ، تمدن اسلامی کا زوال اور حکومت عباسی کی کمزوری شروع ہوجاتی ہے۔

ایران کی سماجی حالت یعقوب لیث کے قیام تک:

ساسانیوں کی شکست کے بعد ایرانی دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ ان کے بڑے گروہ نے جس میں زیادہ تر علما اور اہل بیوتات تھے، جزیہ وخراج دینا قبول کر کے اپنے آبائی مذہب اور آداب ورسوم پر باقی رہنا پسند کیا۔ اس گروہ میں جس میں عیسائی، زرتشی، مانوی، مزدکی اور بودھ کے ماننے والے لوگ شامل تھے، قدیم روایات واحادیث اور کتب تاریخی ومذہبی محفوظ رہیں جو مختلف زبانوں اور خط مثلاً اوستایی، پہلوی اور دیگر متداول زبانوں کے رسم الخط میں باقی بچ گئی تھیں۔ اس گروہ کے اذہان سے ماضی کی عظمتیں کبھی بھی محو نہیں ہوئیں۔ اس گروہ کے موبدوں اور دانشوروں نے ایرانیوں کے قدیم تمدن کے تحفظ کی تادیر کوشش کی۔ اِن ایام میں حتی دوسری اور تیسری صدیوں میں بہت سے زرتشی علما نے کتب دینی کی تالیف وتدوین اور اوستا کی تلخیص وتفسیر کی اور ان جیسے دوسرے کاموں میں مشغول رہے۔ پہلوی زبان کے کچھ اہم ترین رسالے اور کتابیں جو باقی بچی ہیں، اسی عہد کی یادگار ہیں۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنھوں نے تلوار کے زور پر یا ایمانی عقیدے کی روشنی سے یا اپنی سیاسی اور سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے دین اسلام قبول کیا تھا۔ یا وہ لوگ تھے جنھیں عرب فاتحین قید کر کے اپنے قبیلوں میں لے گئے تھے اور اس دیار میں ان سے غلامی کروا رہے تھے۔ اس گروہ میں غالباً ایران کے بڑے، اشراف اور شاہی خانوادے کے لوگ بھی تھے۔ اسی گروہ نے عربوں کی زبان اور تمدن سے

واقفیت کے بعد مسلمانوں کے مختلف حکومتی اور مدنی امور کو متاثر کیا اور بڑے بڑے کام انجام دیے۔

ایران اور دیگر مفتوحہ ممالک سے عرب جن قیدیوں اور غلاموں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے انھیں مختلف افراد اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ان کا ہر گروہ، ایک قبیلے سے موسوم ہوا جو 'موالی' کے نام سے جانا گیا۔

مسلسل فتوحات اور مختلف اقوام پر غلبہ اور حکمرانی نے عربوں کو رفتہ رفتہ مغرور اور خودسر بنا دیا۔ یہاں تک کہ وہ تمام مغلوب یا محکوم اقوام کو غلام اور خود کو مولا و آقا سمجھنے لگے۔ اس عجیب و غریب تکبر اور غرور نے بنی امیہ کے زمانے میں اتنا زور پکڑا کہ بعض متعصب و نادان عرب، عجمیوں میں سے کسی کو فرماں روائی کے لائق ہی نہیں سمجھتے تھے اور گویا ایسا سمجھتے تھے کہ خدا نے تمام خلائق میں عربوں کو پوری دنیا پر حکمرانی کے لیے منتخب کیا ہے اور دوسروں کو ان کا غلام و فرماں بردار اور محکوم بنایا ہے۔ وہ سوائے غلامی اور فرماں برداری کے کوئی کام نہ کریں اور امارت و حکومت اور ان جیسے دیگر امور عربوں پر چھوڑ دیں۔ عہد بنی امیہ کے عرب کا معاملہ اِن طبقات کے ساتھ حاکم اور محکوم کا معاملہ تھا۔ وہ موالیوں کے سلسلے میں خود کو صاحب حق و احسان سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کا عقیدہ تھا کہ انھوں نے ہی انھیں کفر و ضلالت سے رہائی دلائی ہے۔ موالی، کنیت و القاب سے محروم تھے۔ عرب ایک صف میں ان کے ساتھ راستہ تک نہیں چلتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں موالی کو ایک پیر پر کھڑا رہنا پڑتا تھا اور جب کوئی موالی کسی عرب کو پیدل چلتا دیکھتا تو اسے گھوڑے سے نیچے اتر کر اعرابی کو گھوڑے پر بٹھانا لازم تھا اور وہ خود اس کے ساتھ پیدل چلتا۔ لڑائیوں میں وہ پیدل (سپاہیوں میں) ہوتا اور مال غنیمت میں اس حصہ نہیں ہوتا۔ (۱) باوجود اس کے کہ دینِ اسلام ایسے خیالات کا مخالف ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام نے حسب و نسب پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے اور فخر و مباہات اور بزرگی و شرف کا دارومدار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو قرار دیا ہے۔

دیگر اقوام کے سلسلے میں بنی امیہ کے تحقیر آمیز رویّے کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے درحقیقت انھیں اپنے لیے مفاد کا ذریعہ اور رزقِ حلال سمجھ رکھا تھا اور اسی بنا پر اُن کا زیادہ سے زیادہ استحصال کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ موالیوں کے ساتھ بنی امیہ اور ان کے کارپردازوں کا ظلم و ستم خاص کر ایران اور ماوراء النہر میں اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ کبھی تو وہاں کے لوگ شورش اور بغاوت کر دیتے یا پھر مختار بن ابوعبیدہ یا اشعث جیسے لوگوں کی تحریکوں میں شامل ہو جاتے۔ اس صورت حال سے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ابومسلم کی تحریک میں حیرت انگیز تیزی آنے کے ساتھ بے شمار لوگ کیوں کر شامل ہو گئے تھے۔

ان حقارتوں، اہانتوں، آزار و اذیتوں اور شکنجوں کا نتیجہ جن سے اس عہد کی کتب تواریخ اور تواریخ اسلام بھری پڑی ہیں، مسلمانوں کے مابین نفاق پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں نکلا۔ کیوں کہ غیر عرب مسلمانوں کا تعلق زیادہ تر دنیا کی بڑی قوموں سے تھا جو اسلام سے پہلے دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکومت کر چکی تھیں اور علم و ادب، سیاحت اور جہاں داری کا خاصا تجربہ رکھتی تھیں اور ان میں جیسا کہ ہم جانتے ہیں رومی اور ایرانی (اقوام) دوسروں کے مقابلے میں برتر تھیں۔

یہ صورت حال ایرانیوں کے لیے دشوار تھی۔ اس لیے کہ یہ احساسِ قومی کے حامل تھے جیسا کہ قومیت اور ایران سے محبت کا موضوع، اُن کے قدیم ترین مذہبی اور ادبی آثار یعنی اوستا سے لے کر عہد ساسانی کے اواخر کے معروف آثار میں ہر جگہ پوری طرح نمایاں ہے۔ ایرانیوں کی قومی روایات بھی جیسا کہ ہمیں معلوم ہے، کچھ ایسی تھیں کہ انھیں اپنے ماضی پر فخر وغرور تھا مگر حال سے وہ خوش نہ تھے۔ اس سے قطع نظر ابھی عہد ساسانی کی عظمت و برتری کی یادیں اُن کے اذہان میں باقی تھیں۔ ان کیفیات کے پیش نظر، عربوں کا حقارت آمیز رویّہ، انھیں سخت ناگوار گزرتا تھا اور یہی چیز عربوں کے افکار کے مقابلے میں ان کی زبردست تحریک (یا انقلاب) کا باعث بنی اور اس نے ایک طرف رفتہ رفتہ انھیں عربوں کی توہین اور پست سمجھنے اور دوسری طرف اپنے آباواجداد کے مآثر و مفاخر کے بیان پر مجبور کر دیا۔ پہلا شخص جس نے علم انقلاب بلند کیا وہ ایرانی النسل ایک موالی اسمعیل بن یسار تھا جو ہشام بن عبدالملک کے دور کا شاعر تھا۔ اس نے اپنے اجداد کے ایرانی ہونے پر فخر کیا ہے اور عربوں پر انھیں ترجیح دی ہے۔ اس نے اپنے ایک قصیدے کے درج ذیل اشعار ہشام کے سامنے پڑھے:

اَصلی کریم ومَجدی لایُقاس به	ولی لسان کحَدِّ السّیف مسموم
احمی به مَجدُ اقوامٍ ذوی حسبٍ	من کلِ قرمٍ بتاج الملک مَعموم
جحاجحٍ(۱) سادةٍ بُلجٍ(۲) مرازبةٍ	جردٍ(۳) عتاق(۴) مسامیح(۵) مطاعیم(۶)
مَن مثل کسری وسابورِ الجنودِ معاً	والهرمزان لفخر او لتعظیم
اسد الکتائب یوم الرّوع اِن زحفوا(۷)	وهم اذلوا ملوک الترک والروم
هناکِ اِن تسألی تبنی بِاَنَّ لنا	جُرثومةً قهرت عِزّ الجراثیم

ہشام ان اشعار کو سن کر غضب ناک ہو گیا اور کہا کہ مجھ سے فخر و مباہات کی باتیں کرتا ہے اور میرے سامنے قصیدہ پڑھتا ہے اور اپنی قوم کفار کی تعریف کرتا ہے؟ اس کے بعد حکم دیا کہ اسے پانی میں ڈبو کر اس کا دَم گھونٹ دیں۔ پھر بولا کہ اسے پانی سے باہر نکالیں اور حجاز بھیج دیں۔ اسمعیل بن یسار کے یہاں ایسے اشعار بہت تھے اور اسی اسمعیل کے باپ یعنی یسار کی آلِ مروان سے اتنی دشمنی تھی کہ مرتے وقت بجائے کلمۂ توحید (لا الہ الا اللہ) پڑھنے کے اس نے کہا تھا 'مروان پر خدا کی لعنت ہو'۔(۸)

قوم عرب خاص کر بنی امیہ کے سلسلے میں ایرانیوں کی یہ شدید عداوت روز بہ روز شدت اختیار کرتی گئی اور زیادہ تر جیسا کہ ہم نے دیکھا، ان کی شورشوں کا سبب بنی۔ وہ بہترین راستہ جو ایرانیوں نے اپنایا تھا، وہ بنی امیہ کو اکھاڑ پھینکنا تھا جو عرب میں نسلی سیاست کے حامی تھے اور اسی بنا پر جیسا کہ کہا گیا کہ جیسے ہی بنی ہاشم اور بنی عباس نے دعوت دی، ایرانیوں نے تیزی سے ان کی دعوتوں پر لبیک کہا اور کوفہ و بصرہ سمیت خراسان کے بیشتر علاقوں سے آل عباس اور آل ابوطالب کے لیے فوج جمع کر دی۔ بنی عباس بھی جو سیاست میں بنی امیہ سے بہتر عمل کر رہے تھے، جب اموی سیاست کے کمزور پہلو کی

طرف متوجہ ہوئے تھے تو انھوں نے بھی اپنی تبلیغات کا سلسلہ ایران سے ہی شروع کیا تھا اور یہیں ابن اثیر نے لکھا ہے (۹)۔اس خط میں جو ابراہیم بن محمد امام نے ابومسلم کو لکھا تھا اور جو مروان کے ہاتھ لگ گیا تھا، ابومسلم سے یوں کہتا تھا ''اگر ہو سکے تو ہر اس شخص کو قتل کر دو جو عربی زبان میں بات چیت کرتا ہو''۔ایسے عالَم میں جیسا کہ ہم نے دیکھا، خراسان میں وہاں کے ساکن عرب و بایل نے زبردست لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ یہ دو گروہ، یمانیہ اور مضر بہ میں تقسیم ہو گئے تھے۔عظیم اور لائق ایرانی سردار ابومسلم نے جو اس علاقے میں بنی عباس کی دعوت کا مبلغ تھا، ان دو عرب گروہوں کی مخالفتوں اور ان کے دو دھڑے میں بٹ جانے کا فائدہ اٹھایا اور حتی کہ عربوں کا ایک گروہ علی الخصوص قحطبہ طائی جس کا اپنی قوم میں زبردست اثر تھا، اسی طرح یمانیہ گروہ کا علی بن کرمانی، اس سے مل گئے۔قحطبہ نے اس خطے میں جو اہل خراسان کے لیے اس نے ہی دیا تھا، اپنی ہی عرب قوم پر حملہ کیا اور ایرانیوں کو ان کے قتل عام کے لیے اکسایا اور کہا کہ خدا نے آپ کو اس قوم پر انتقام لینے کو مسلط کیا ہے تا کہ ان کا رنج و غم آپ کو پہنچنے والے صدموں سے بڑھ جائے (۱۰)۔

جب عربوں نے جنگ ختم کی، ابومسلم نے ان کے سرداروں کو قتل کر دیا اور عرب اقوام کو پراگندگی کا شکار بنا دیا نیز حکومت، آلِ عباس کے حوالے کر دی۔

ایرانیوں خاص کر اہل خراسان کی مدد سے بنی عباس کا حکومت میں آنے سے ایرانیوں کا مکمل نفوذ ہو گیا۔ایرانیوں نے عہد کر لیا تھا کہ اب عربوں، ان کے تمدن، خلافت و سلطنت کو ایران اور ایرانیوں کا مطیع بنا کر ہی دم لیں گے چنانچہ انھوں نے حتی خلیفہ کے لباس کے طرز میں بھی دخل اندازی کی۔تاریخ طبری کے ترجمے میں آیا ہے کہ:

> صاحب الدعوۃ ابومسلم نے جب بنی امیہ کو ختم کر دیا اور خلافت بنی عباس کے حوالے کی بنی امیہ سبز رنگ پسند کرتے تھے اور اکثر و بیشتر سبز لباس پہنتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سبز رنگ بہشت کا رنگ ہے لہٰذا ابومسلم نے بنی امیہ کی رسموں کو بدل دینا چاہا اور چاہا کہ سلطان اُس رنگ کا لباس پہنے جو زیادہ ہیبت والا ہو، پس۔۔۔حکم دیا کہ سلطان کا لباس سیاہ کریں۔

دوسری طرف بنی عباس نے جو بنی امیہ کے زوال کے اسباب سے پوری طرح واقف تھے، ان کے جیسے اعمال و افعال سے یعنی عربیت کا تعصب اور غیر عرب اقوام بالخصوص ایرانی قوم کی تحقیر سے احتراز کیا۔چناں چہ انھوں نے اپنے سپاہیوں، دوستوں، مددگاروں، طرف داروں اور مدافعین کا انتخاب بھی پارسیوں (ایرانیوں) میں سے کیا اور 'عرب فوج' کو جو قبیلۂ ربیعہ اور مضر سے تھی، صرف نسلی عصبیت کے طور پر باقی رکھا۔یہ قوم، ایران و عرب کی دو قوموں میں اعتدال برقرار نہ رکھ سکی۔اس لیے کہ یہ لوگ طبعاً ایرانیوں سے میل جول کی عادت کر چکے تھے اور وہ ان کی زندگی میں داخل ہو چکے تھے نیز اپنے آپ پر ان امور کی رعایت کو واجب جانتے تھے۔وہ پہلا شخص جس نے خود کو ایرانیوں کے لباس میں ملبوس کیا اور لوگوں کو اس کے پہننے کا حکم دیا وہ منصور (۱۵۳ھ) ہے۔رفتہ رفتہ معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ خلفا نے ایرانی عورتوں کو اپنے ہی لیے منتخب کرنا شروع کر دیا۔خاص کر ولی عہد کی ماں غالباً ایرانی تھی اور یہی امر خلفا میں ایرانیوں سے میل جول کا

ایک فطری عنصر پیدا کرنے کا باعث بنا۔ ایرانی عنصر کا غلبہ اُس وقت بہت بڑھ گیا جب خلفا نے اپنے وزرا اور شوریٰ کے افراد کا انتخاب برامکہ اور ان جیسے دیگر خاندانوں سے کرنا شروع کیا۔ ان خلفا کا اہم ترین مقصد ایرانیوں کی ترقی تھی۔ جب مہدی نے شوریٰ بنانے کا ارادہ کیا اور دربار کے مخصوص افراد کو جمع کیا تو جس پہلے شخص نے بولنا شروع کیا، وہ ایرانی موالیوں میں سے تھا اور بقیہ کے لیے یہی قیاس کرنا چاہیے۔ چناں چہ خلفا کی حکومت کے اہم افراد، خواص اور درباریوں کی تشکیل، ایرانی موالیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ وُزرا، قُوّاد (قائدین)، عُمّال (کارکنان)، کُتّاب (کاتبین) اور حُجّاب (پردہ برداران) ان ہی میں سے منتخب کیے جاتے تھے بہ الفاظ دیگر یہ حکومت، ان ہی کی حکومت تھی۔ اکثر معاملے میں خلافت کی طرح، ایک منصب، باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتا تھا اور بعض خاندان، وزرات وولایت سے پہچانے جاتے تھے جیسے آلِ برمک، آلِ وہب، آل سہل اور آل طاہر اور ان جیسے دوسرے خاندان۔ ظاہر ہے کہ بنی عباس، ایرانیوں پر بہت زیادہ توجہ دینے کے باوجود، ان کے بنی ہاشم اور عربی النسل ہونے کو کبھی بھی فراموش نہیں کرتے تھے اور اسی لیے کبھی کبھی ایرانیوں کے نفوذ سے خوف زدہ بھی ہوجاتے تھے اور ان میں سے بعض کو قتل کرنے اور اکھاڑ پھینکنے کا اقدام بھی کرتے تھے۔ چناں چہ سفّاح نے ابوسلمہ خلّال کو راستے سے ہٹایا اور منصور نے ابومسلم کو۔ ہارون نے آل برمک کو، مامون نے فضل بن سہل کو اور معتصم نے افشین کو۔ اسی کے ساتھ کبھی عربوں کے درمیان سے وہ سرداروں اور کارپردازوں کا انتخاب کرتے تھے لیکن اگر موازنہ کیا جائے تو غلبہ، ایرانیوں کا ہی تھا۔

خاندان برمکی کے قتل عام اور فضل بن ربیع کا وزرات میں پہنچنے سے حکومتِ بنی عباس میں کچھ دیر کے لیے ایرانیوں کے نفوذ میں کمی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے لیکن ایرانیوں نے امین کا کام تمام کرکے، مامون کو تخت سے اتار کر اور پھر اس کا خاتمہ کرکے عربوں سے اپنا انتقام لے لیا اور سا کے بعد پھر سے اُن کا اثر ونفوذ خلفا کے دربار میں بڑھ گیا۔ عربوں کو یہ صورت حال مہنگی پڑی۔ چناں چہ انھوں نے دوسرے کی بیعت کرنے کا ارادہ کرلیا اور کئی بار مامون کی جانب سے ایرانیوں کا ادب احترام کیے جانے پر اسے موردعتاب قرار دیا اور ایک بار شام میں ایک شخص نے اس سے کہا: ''اے امیر المؤمنین! شام کے عربوں پر بھی ویسی ہی نظر کریں جس نظر سے آپ ایرانیوں کو دیکھتے ہیں''۔ مامون نے جواب دیا: ''بکواس مت کرو! خدا کی قسم میں نے قبیلۂ قیس کے لوگوں کو ان کے گھوڑوں کی پشت سے نیچے نہیں اتارا مگر اُس وقت جب معلوم ہوگیا کہ ان کے رہتے ہوئے میرے بیت المال میں ایک درہم بھی نہیں بچے گا لیکن یمن! بہ خدا میں نہ اس کو اور نہ ہی اس کے باشندوں کو پسند کرتا ہوں لیکن بنی قضاعہ، جس کے بزرگ، آلِ سفیان کے کسی شخص کا انتظار کررہے ہیں تاکہ اس کی حمایت کریں۔ لیکن بنی ربیعہ حتی اپنے خدا پر اس وقت سے ناراض ہیں جب سے مصر سے اپنے پیغمبر کو کھڑا کیا ہے''۔ (۱)

ایرانیوں کے سلسلے میں عربوں کا یہ تعصب وتحرک، ایرانیوں کے مابین دوبارہ شدید تحریک کا باعث بنا اور جیسا کہ ہم

ملاحظہ کریں گے اس کا زبردست نتیجہ برآمد ہوا اور وہ اظہارِ وجود اور قومی تعصب سے عبارت ہے۔ اس عہد میں جو سب سے بڑا اور متعصب ایرانی شاعر پیدا ہوا اور جس نے اس تحریک کو اپنے کلام میں مجسم کیا، وہ بشّار بن برد بن یرجوخ طخارستانی (متوفی ۱۶۷ھ) ہے۔ اس نے عربوں کی مذمت اور اپنے ایرانی النسل ہونے پر بہت سے فخریہ اشعار کہے منجملہ ذیل کے اشعار ہیں، جن میں ان لوگوں پر حملہ کیا گیا ہے جو عربوں کے ساتھ موالات کا اظہار کرتے تھے۔ اس نے عرب قوم کی سخت تحقیر بھی کی ہے۔

خلیلی لا انام علی اقتسار — ولا آبی علی مولی وجارٍ
ساخبر فاخر الاعراب عَنّی — وعنه حین تأذن بالفخار
احین کسیت بعد العریٰ(۲) خَزّاً — ونا دمتَ الکرام علی العقار(۳)
تفاخر یا ابن راعیةٍ وَ راعٍ — بنی الاحرار حسبک من خسار
وکنت اذا ظمئت الی قُراح — شرکت الکلب فی ولغ الاطار(۴)
تریغ(۵) بخطبةٍ کسر الموالی — وینسیک المکارم صید فار
وتغدو للقنافذ تدّریها — ولم تعقل بدراج الدیار
وتتشح(۶) الشمال للابیها — وترعیٰ الضّان بالبلد القفار
مقامک بیننا دَنَس علینا — فلیتک غائب فی حَرّ نار
وفخرک بین خنزیر وکلب — عَلی مثلی من الحدیث الکبار(۷)

اس کے بعد سب حسب ونسب پر افتخار کی روش نے ایرانیوں میں بہت زیادہ زور پکڑ لیا اس حد تک کہ ایک شاعر نے استہزائیہ طور پر کہا:

واهل القری کلهم ینتمون
لکسری ادعاء فأین النّبیط(۸)

ایرانیوں پر عباسی خلفا کی بے پناہ توجہ اور عربوں کو اہم کام دینے سے ان کے پرہیز نے بھی اس میں شدت پیدا کی۔ عباسی خلیفہ منصور اور اس کے جانشین مہدی نے ایرانیوں کو اپنے سے قریب کرنے کی حد درجہ کوشش کی اور ہارون کے عہد حکومت میں بھی جیسا کہ ہم جانتے ہیں، حکومتی امور میں برامکہ کے اقتدار اور اثر ونفوذ نیز ایرانیوں کی برتری اور اثرات میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ اس عجیب وغریب نفوذ نے عربوں کو سخت ناراض اور بنی عباس کو ہراساں کر دیا اور یہ خوف ہراس برامکہ کے خلاف ان کی ناکام سازش پر ختم ہوا۔ لیکن ایرانیوں نے بہت جلد ہارون الرشید کی موت (۱۹۳ھ) کے بعد عربوں سے سخت انتقام لے لیا اور عباسی خلیفہ امین کو جس کی ماں قبیلۂ بنی ہاشم سے اور عربوں کی سیاست کی حامی تھی، اس کی

جگہ پر تخت حکومت پر بٹھایا۔ مامون کی حکومت میں طاہر ذوالیمینین کی حیثیت عظیم سردار کی تھی اور اس کا وزیر فضل بن سہل سرخسی تھا۔ دونوں ایران کی قومی سیاست کے کٹّر حامی تھے۔ اس کامیابی کے نتیجے میں ایران کی نسلی برتری کی تحدید ہوئی اور مامون بھی خاص طور پر ایرانیوں پر توجہ کرنے لگا اور امور مملکت میں انھیں کھلی چھوٹ دے دی۔ لیکن مامون کی وفات اور معتصم کے مسند حکومت پر بیٹھتے (۲۱۸ھ) ہی جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا، بنی عباس کی سیاست میں تبدیلی رونما ہوگئی۔ اس طرح کہ معتصم چوں کہ ایک طرف ایرانیوں کے زبردست اثر نفوذ سے ہراساں تھا تو دوسری طرف عربوں پر مکمل اعتماد نہیں کرسکتا تھا' لہٰذا اس نے ترکوں کی طرف توجہ دی اور ان پر ہی فوج کی تشکیل کی۔ اپنے امرا اور وُسا کا انتخاب بھی ترک غلاموں میں سے کیا۔ جب ان لوگوں کا عمل دخل ہوگیا تو انھوں نے ایرانیوں اور عربوں، دونوں کا استحصال شروع کردیا جس نے اسلامی تمدن کو زوال سے ہمکنار کرنے کی تمہید فراہم کردی۔

اسلامی حکومت میں ایرانیوں کے اثر ونفوذ کے چند نتائج برآمد ہوئے جن میں حسب ذیل شامل ہیں۔

۱۔ اسلامی تمدن میں ایرانیوں کی تہذیب، آداب ورسول اور ان کے دفتری اور سماجی امور شامل ہوگئے۔

۲۔ اعلا حکام کا ایرانیوں پر انحصار۔

۳۔ عظیم علمی اور سماجی تحریک کا آغاز ہوا، جو عظیم اسلامی تمدن کے قیام کا باعث بنی۔

شعوبیہ:

اس موضوع سے متعلق مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم اجتماعی تحریک کا ذکر کیا جائے، جو عربوں کی حکومت کا تختہ پلٹنے اور ایرانیوں کے برسر اقتدار آنے کا ایک اہم سبب ہے اور وہ تحریک شعوبیہ ہے۔

اسلام۔ امن وسلامتی اور مساوات وبرابری کا مذہب ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے ہر قوم وقبیلے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ایک دوسرے پر امتیاز وبرتری کا کوئی رجحان نہیں پایا جاتا بلکہ اسلام میں لوگوں کے درمیان امتیاز وبرتری کا سبب صرف اور صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے چنانچہ آیۂ شریفہ میں ہم دیکھتے ہیں:

یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا اِنَّ

اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم ان اللّٰہ علیم خبیر (حجرات/۱۳)

عرب، صدر اسلام اور اس کے اصولوں کی تبلیغ کے وقت بھی اسی چیز کے مبلغ تھے لیکن درحقیقت وہ اس اعلا اخلاقی اصول پر کم ہی عمل کرسکے خاص کر عہد بنی امیّہ میں۔ جیسا کہ ہم نے ملاحظہ کیا، محض عرب سیاست درمیان میں تھی۔ عہد بنی امیہ کے خاتمے تک تمام امور عربوں سے متعلق تھے اور دوسری اقوام کے ساتھ حقارت اور اہانت آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ حقارت آمیز رویہ، حکومتِ اسلامی کے تابع اقوام بالخصوص ایرانیوں کو بہت ناگوار گزرتا تھا جن کی قومی حِس بہت بیدار تھی

اور دوسروں کے بہ نسبت ان کا ایک شاندار ماضی بھی تھا۔ انھیں اس غرور اور تکبّر نے مقابلے پر اکسایا۔ اس کے بعد ایرانیوں نے عربوں سے مقابلے کے لیے تین راستے اختیار کیے۔

۱) **سیاسی تحریک یا انقلاب:** جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ یہ تحریک ابومسلم نے شروع کی تھی اور ابومسلم اور ابوسلمہ خلّال کے ساتھ عباسیوں کی خیانت اور دھوکا دہی نے جیسا کہ ملاحظہ کریں گے، اس تحریک میں شدت پیدا کی جس کا نتیجہ مستقل ایرانی حکومتوں کے قیام کی صورت میں نکلا۔

۲) **دینِ اسلام کے خلاف تحریک** اور اس کی تباہی جو درواقع حکومت اسلامی کے خلاف ایک منفی تحریک تھی اور عباسیوں کے ابتدائی دور میں عجیب شدت کے ساتھ سامنے آئی جس کا خلفا نے سخت مقابلہ کیا۔

۳) **سماجی اور ادبی تحریک** جو شعوبیہ نام کے گروہ کے ذریعے سامنے آئی۔ یہ گروہ عہد اموی میں ظہور میں آیا تھا اور یہ ابتدا میں ایک ایسے گروہ کی صورت میں سامنے آیا جو عربوں کے غرور و تکبر اور دیگر اقوام کی تحقیر کو تنقیدی نظر سے دیکھتا تھا اور کہتا تھا کہ اسلام، ایسی فکر کا مخالف ہے اور اس نے احزاب و قبائل کے درمیان تفاخر کو ممنوع قرار دیا ہے نیز صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو ہی انسان کی برتری اور بزرگی کی علامت جانتا تھا اور چوں کہ یہ گروہ آیۂ کریمہ (یا ایھا الناس۔۔۔ الآیۃ) کو جسے گزشتہ سطور میں نقل کیا گیا ہے، بطور مثال و استدلال پیش کرتا تھا اسے شعوبیہ کہا جانے لگا۔

اسی عہد بنی امیہ میں بھی جیسا کہ ہم نے دیکھا، اسمٰعیل بن یسار جیسے لوگوں کا گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے عربوں کے تفاخر کے سلسلے میں اپنی نسل و قوم اور اپنے آبا و اجداد نیز ماضی کی تاریخ پر فخر کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے بعد جب پہلے والا گروہ ختم ہو گیا تو شعوبیہ بجائے اس کے کہ 'اہل تسویہ' کہلاتے، عرب پر عجم کی فضیلت کے حامی قرار پائے۔

عرب پر عجم کی برتری کے قائل زیادہ تر لوگ، ایرانی تھے اور اپنے خیال کی تائید کے لیے چند دلیلیں بھی پیش کرتے تھے۔ ان کی فکر کا بنیادی محور، عربوں کی تحقیر تھا اور وہ کہتے تھے ہر وہ قوم اور ملت جو اگرچہ پست ہو، عرب پر ترجیح رکھتی ہے۔ ان لوگوں نے اصل میں اسلام قبول نہیں کیا تھا یا بہ ظاہر اسلام تو قبول کر لیا تھا مگر اپنے (پرانے) اصلی مذہب پر باقی تھے یا اصولاً قومیت اور وطن پرستی یا عربوں کی مخالفت، ان کی فکر کا غالب عنصر تھا۔

بنی عباس کے دور میں ایرانیوں نے اگرچہ حکومت میں بہت اثر و نفوذ پیدا کر لیا تھا لیکن چوں کہ ایک طرف وہ کبھی کبھی عربوں کے مظالم کا شکار ہوتے تھے اور دوسری طرف خلفا کا عذر و مکر انھیں غضب ناک کر دیتا تھا جس سے ان کی تمام آرزوؤں کی تکمیل بھی نہیں ہو پاتی تھی لہٰذا عرب قوم کے ساتھ سخت و شدید کشاکش کی ابتدا ہوئی اور اس طرح شعوبیہ کو اس دور میں اپنے افکار و عقائد کی تبلیغ کا پورا موقع ملا۔ انھوں نے عربوں پر ایرانیوں کی برتری، اپنے نسلی تفاخر اور عربوں کی تحقیر کے موضوعات پر کتب و رسائل تالیف کیے اور اشعار کہے۔ بعض ایرانی اکابرین نے بھی اس معاملے میں ان کا حوصلہ بڑھایا مثلاً طاہر بن الحسین نے علانِ شعوبی کو عربوں کی تحقیر و اہانت میں کتاب لکھنے پر بھاری انعام عطا کیا۔

شعوبیہ دوسری صدی ہجری کے اوائل سے چوتھی صدی ہجری تک اپنے افکار وعقائد کی زبردست تبلیغ میں مشغول رہے اور اس دوران ایرانیوں میں سے شعوبی فکر کے حامل بڑے بڑے شعرا پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنے عقائد کا اظہار بڑی شدومد سے کیا منجملہ خُریمی، مشہور شاعر سعدی، متوکل کا ندیم التوکلی اور بشار بن برد طخارستانی جس کے بارے میں پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ اپنے حسب ونسب پر افتخار اور اس کے دفاع میں خُریمی کے درج ذیل اشعار بہت مشہور ہیں۔

أبا لصُغدِ بَاسٌ اِذ تُعَيِّرُنی جُملُ — سِفاهاً ومن اَخلاقِ جارتی الجَهلُ
فَان تُفخري با جُملُ او تَتَجَمَّلی — فلا فخرَ اَلاّ فوقه الدينُ والعقلُ
أری الناس شَرعاً فی الحياة لايَرَی — لقبرٍ علی قبرٍ علائٌ وَلا فضلٌ
وما ضَرَّني ان لَم تَلِدْنی يَحابِرٌ — ولم تشتمل جَرْمٌ عَلَیَّ ولا عُكلٌ
اذا أنتِ لم تَحمِ القديم بحادث — من المجدِ لم ينفعک ما كان مِن قَبل

☆ ☆ ☆

ونادَيتُ مِن مَروٍ وبَلخٍ فوارِساً — لهم حَسبٌ فی الاكرمين حَسِيبٌ
فيا حَسرتا كا دارَ قَومي قريبة — فيكثر منهم ناصری ويطيب
وانَّ ابی ساسانُ كسری بنُ هُرمُزٍ — وخاقانُ لی لو تعلمين نسيب
مَلَكْنا رقاب الناس فی الشّرک كلُّهم — لنا تابعٌ طوع القياد جنيب
نَسُومُكمو خَسْفاً ونقضی عليكمو — بماشائَ منّا مخطئٌ ومصيبُ
فلما أتَی الاسلامُ وانشرحت له — صدورٌ به نحوَ الانام تُنيب
تبعنا رسولَ اللهِ حتی كأنما — سمائٌ علينا بالرجال تَصُوبُ

متوکل نے ایک قصیدے میں جسے یعقوب بن لیث نے خلیفہ المعتمد کو بھیجا تھا، اس طرح کہا ہے:

أنا ابنُ الَكارِمِ من نسل جَم — وحائز أرث ملوک العجم
ومحيی الّذی بادَ من عزّهم — وعَفَّی عليه طوالُ القِدَم
وطالبُ أو تارهم جَهرةً — فَمَن نام عن حقّهم لم أنم
يهمُّ الانام بلذاتهم — ونفسی تهمُّ بسول الهِمم
الی كُلّ أمرٍ رفيعِ العماد — طويل النَجاد مُنيفِ العَلَم
وَ انّی لآمِلُ مِن ذِي العُلا — بلوغَ مرادی بخير النَّسَم
معی عَلَمُ الكابيان الّذی — به اَرتَجيأن أسودَ الاهم

فقل لبنی هاشمٍ اجمعین هَلُمُّوا الی الخلع قبلَ النَّدم
مَلَکتا کُم عُنوةً بالرِّما حِ طعناً وضرباً بسیفٍ خذمِ
وأولاکُم الملکَ آباؤُنا فما اِن وفیتم بشکر النِّعم
فعودوا اِلی أَرضِکم بالحجاز لِأکلِ الضِّبابِ ورَعي الغَنَم

شعوبی فرقے سے تعلق رکھنے والے مولفین میں ایرانی نجیب زادوں میں سے ابوعثمان سعید بن حمید بختکان مولف کتاب 'انتصاف العجم من العرب' 'فضل العجم علی العرب وافتخارھا' منصور، مہدی، ہادی اور ہارون کا معاصر ھیثم بن عدی صاحب کتاب المثالب الصغیر، کتاب المثالب الکبیر، کتاب مثالب ربیعہ، اخبار الفرس اور چند دوسری کتابیں، مامون کا معاصر اور بیت الحکمت کا سربراہ سہل بن ہارون دشت میشانی جس نے عربوں کے مثالب (عیوب) کے بیان میں کئی کتابیں لکھی ہیں، علان شعوبی صاحب کتاب المید ان فی المثالب، ابوعبیدہ معمر بن المثنی مولف کتاب لصوص العرب، وفضائل الفرس، اور بہت سے دوسرے وطن پرست ایرانی ہیں جن کا ذکر کتب تواریخ وتذکرہ اور فہرستوں میں آیا ہے۔ یہ کتابیں، بعد کے زمانوں میں ایرانیوں کی فکری روش میں رونما ہونے والی تبدیلی اور اسلام کے زبردست نفوذ نیز ان جیسے دوسرے عوامل کے سبب ناپید ہوگئیں۔ لیکن ان میں سے ایک اہم اور زندۂ جاوید کتاب باقی رہ گئی اور وہ ہے، تحریک حسّ ملّی ایرانیاں جوان کو دست رفتہ آزادی کے حصول کے لیے متحرک اور عرب قوم پر برتری وتفاخر کے لیے بیدار کرتی ہے۔

یعقوب لیث صفّار کے قیام تک سیاسی اور فوجی تحریکیں:

یعقوب نے بہ تدریج ظہور میں آنے والے مختلف طبقات اور مانویوں کے ذریعے ایرانیوں کی دینی تحریک اور اسی طرح ان کی ادبی اور سماجی تحریک نے جو شعوبیوں کے ذریعے عرب کی نسلی حکومت اور ان کے نفوذ پر زبردست وار کیے لیکن ایرانیوں کی حقیقی تحریک، سیاسی اور فوجی وسیلے سے انجام پذیر ہوئی۔ جس کے بڑے نتائج سامنے آئے۔ درحقیقت مذکورہ طبقات کے وجود میں آنے اور حکومت میں ایرانیوں کے نفوذ اور ان جیسے دیگر عوامل کا جن پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے، دو نتیجہ برآمد ہوا۔

پہلا۔ ایرانیوں اور ان کی قومی حس کی بیداری کی صورت میں جو درحقیقت مازیار یعقوب، مرداویج اور ان جیسے دوسرے بڑے آزادی پسندی کے ظہور میں آنے کا باعث ہوئی۔

دوسرا۔ عربوں کی دائرۂ نفوذ واقتدار میں کمزوری پیدا کرنا۔

ان تمام امور کو درحقیت ایرانیوں کی مستقل حکومتوں کے قیام کی تمہید سمجھنا چاہیے۔ لیکن اسی کے ساتھ کہ مذکورہ تحریکیں شدت کے ساتھ جاری تھیں، عرب حکومتوں کے خلاف یکے بعد از دیگرے سیاسی تحریکیں بھی انجام پانے لگیں اور ہر نئی تحریک، عرب حکومتوں کے پیکر پر ایک نئی ضرب لگا رہی تھی جس کا نتیجہ ایران میں مستقل حکومتوں اور زبان (فارسی دری)

کے وجود میں آنے کی صورت میں ہی نکلا۔

ایرانیوں کی سیاسی اور فوجی تحریکوں کا اولین قدم، ایران کے بہادر اور عظیم فرزند ابومسلم خراسانی نے اٹھایا۔ یہ تحریک جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، دو مقاصد کے تحت شروع ہوئی تھی۔

پہلا: بنی امیہ اور عرب سیاست کی بیخ کنی اور ایرانیوں پر اُن کے ظلم و جور کا خاتمہ۔

دوسرا: حکومتوں میں ایرانیوں کو داخل کرنا اور ان کے سیاسی نفوذ کو اتنا بڑھانا جو کسی شاندار ماضی کی حامل شریف قوم کے لیے مناسب تھا۔

ایرانیوں نے بنی امیہ کے خلاف انقلاب برپا کر کے اور بنی عباس کو برسر اقتدار لا کر بہت جلد یہ سمجھ لیا کہ اگرچہ انھوں نے اپنے بیش تر مقاصد حاصل کر لیے ہیں لیکن ان کا مقابلہ ایک نئے اور چال باز و مکّار گروہ سے ہے جو اگر بدستور حکومت میں رہا تو وہ کبھی بھی اپنے بنیادی اور اصلی مقاصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ بنی عباس کی ریاکارانہ پالیسی ان کے برسر اقتدار آتے ہی ابوسلمہ خلّال اور ابومسلم خراسانی اور کچھ دوسرے ایرانیوں مثلاً ابن المقفع، بشار بن برد طخارستانی، خاندان برمک، فضل بن سہل ذوالریاستین جیسے لوگوں کے قتل سے شروع ہوگئی تھی۔ ابوسلمہ خلّال کا قتل جو وزیر آل محمد کے نام سے مشہور تھا اور آل عباس کا پہلا وزیر نیز ایرانی النسل تھا، خلافت عباسیہ کے پہلے ہی سال (۱۳۲ھ) میں ہوا۔ اس کے بعد فارس میں اس کے تمام افراد کو قتل کرا دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد یعنی ۱۳۷ھ میں عظیم ایرانی بہادر ابومسلم خراسانی کو منصور نے نہایت سفاکی اور دھوکے سے قتل کر دیا۔

جب ایران میں ابومسلم کے قتل کی خبر پھیلی تو منصور کی اس عجیب بزدلانہ حرکت پر ایرانیوں میں سخت غم و غصہ پایا گیا۔ چناں چہ اسی سال ۱۳۷ھ میں (بہ قول ابن اثیر) ابومسلم کے ایک بہادر اور بڑے سردار اسپھبد رفیروز معروف بہ سُنباد نے اس کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے خراسان میں تحریک چلائی۔ سُنباد ایک زرتشی تھا اور نیشاپور کے اہروانہ نامی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس کی تحریک ابومسلم کے قتل پر زبردست ردعمل کے طور پر سامنے آئی تھی۔ سُنباد کے پیروکاروں میں بہت جلد اضافہ ہوگیا جن میں زیادہ تر اہل جبال تھی۔ اس نے نیشاپور، قومس اور رَے پر قبضہ کر لیا اور جب رَے پر تسلط پا لیا تو ابومسلم کے خزانوں پر بھی تصرف حاصل کر لیا (جنھیں ابومسلم نے منصور کے دارالحکومت کی طرف متوجہ ہونے کے وقت وہاں رکھ چھوڑا تھا) اس کہنا تھا کہ وہ کعبے اور رَے کو تباہ و برباد کرنے کا قصد رکھتا ہے۔ منصور نے جمہور بن مرار العجلی کو دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ اس سے جنگ کرنے کو بھیجا۔ سُنباد کے سپاہی اونٹوں کے دوڑنے بھاگنے اور لشکر گاہ پر حملے میں تباہ ہو گئے اور خود سُنباد طبرستان اور قومس کے مابین مارا گیا۔ اس واقعے کے بعد طبرستان اور اس کے بعد رَے میں اور دو سال بعد خراسان میں بھی جنگیں ہوئیں۔ ۱۵۰ھ میں خراسان میں استاذسیس نامی ایک شخص نے پیغمبری کا دعوا کیا اور خراسان سے لے کر طخارستان تک کے بہت سے مضافاتی علاقوں کو اپنے قبضے میں کر لیا اور ۱۵۱ھ تک اپنے اثر و نفوذ کو بڑھانے میں بدستور

مشغول رہا لیکن اسی سال اسے شکست ہوئی اور اس کے سات ہزار ماننے والے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے نیز چودہ ہزار گرفتار کر لیے گئے۔

منصور کے بعد خلیفہ مہدی کے عہد میں ۱۵۹ھ میں المقنع ھشام (یا ہاشم) بن حکیم نے جو ابومسلم خراسانی کے منشیوں میں تھا، ایک نیا مذہب پیش کر کے بنی عباس کی مخالفت کا آغاز کیا۔ ایک مدت تک یہ مخالفت اور دشمنی جاری رہی اور کچھ جنگیں بھی ہوئیں۔ سرانجام ۱۶۱ھ میں اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

ان مسلسل انقلابات و تحریکات کے ذریعے اسلامی حکومت سے ایرانیوں کی باضابطہ جنگیں شروع ہوئیں۔ ان مخالفتوں اور انقلابات کا اصل مقصد ایران سے عربوں کی حکومت کو ختم کرنا تھا۔

طاہر بن الحسین ملقب بہ ذوالیمینین کے ظہور اور خراسان میں طاہریوں کی موروثی حکومت کے قیام سے ایرانیوں کی حصول آزادی کی آرزو قدرے پوری ہو گئی جس نے ایران میں عرب شہنشاہیت پر پہلا کاری وار لگایا یعنی سنہ ۲۱ھ (شکست نہاوند) کے بعد پہلی بار ان حکام کے بجائے جو خلفا کی جانب سے بھیجے جاتے تھے، ایران کے ایک حصے میں، ایک ایرانی خاندان کے امرا نے یکے بعد از دیگرے حکومت کی اور صرف ظاہری طور پر خلیفہ کے حکم کی اطاعت کی جاتی اور اس خاندان کے ظہور میں آنے سے ایران میں مستقل خاندانوں کے وجود کو آسان بنا دیا گیا جو بظاہر خلیفہ سے عہد و پیمان کرتے اور علَم حاصل کرتے تھے۔

طاہر ذوالیمینین خراسان کا ایک ایرانی ہے۔ جب سنہ ۱۹۴ھ میں مامون نے امین کی کھلی مخالفت کی تو وہ اس کے ساتھ ہو گیا اور اس کی فوج کی سرداری کرتے ہوئے امین کے سرداروں کو کئی جنگوں میں شکست دی اور سنہ ۱۹۸ھ میں بغداد کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا اور امین کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد اسلامی ممالک کی حکومت پھر خراسانیوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ طاہر ذوالیمینین نے ۲۰۵ھ میں مشرقی بغداد میں واقع تمام شہروں یہاں تک کہ ممالک اسلامیہ کے مشرقی حصے تک کے اکثر علاقوں کی حکومت مامون سے چھین لی۔ اس طرح پورے ایران کی نیم مستقل حکومت، ایک ایرانی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ یہ نیم مستقل حکومت طاہر کی وفات (۲۰۷ھ) کے بعد اس کے بیٹے طلحہ کو اور اس کے بعد عبداللہ کو ملی۔ یہ حکومت بدستور اسی خاندان میں تھی اور خراسان یعنی ایران کے وسیع و عریض علاقے کے لوگ بنی عباس کے براہ راست اثر و نفوذ کے بغیر جی رہے تھے یہاں تک کہ ۲۵۹ھ میں ان کے خاندان کے آخری فرد یعنی محمد بن طاہر کا یعقوب لیث صفار کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا اور آل طاہر کی حکوت کی بساط ہی الٹ گئی۔

اُن ہی ایام میں جب طاہر کی خاندانی حکومت قائم ہوئی تھی، ایرانیوں نے خلفائے بنی عباس کے خلاف دیگر علاقوں میں بھی تحریکیں چلائیں۔ اگرچہ ان کا کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوا تاہم عربوں کی مرکزی حکومت کو کمزور بنانے اور ایران کے بقیہ علاقوں میں بھی آزادی کے حصول کے لیے زمین ہموار کرنے میں یہ ضرور موثر رہیں جن میں درج ذیل کا ذکر ضروری

ہے۔

(۱) بابک کی تحریک جو ۲۰۱ھ میں آذربائیجان میں انجام پائی۔ بابک خرم دین یا بابک خرم دینی یا بابک خرمی کی تحریک ایک مذہبی تحریک تھی جو بظاہر دینِ مزدک کا ہی ایک حصہ تھی اور جس کا مقصد قومی تھا۔ اسی سبب وہ عربوں اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ اس کے ماننے والوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے مسلمانوں کی تعداد دس لاکھ تک لکھی گئی ہے۔ بابک، برسوں کی جدوجہد اور کوشش کے بعد ۲۲۳ھ (ابن اثیر: کامل التواریخ) میں معتصم کے ایرانی سردار افشین کے ہاتھوں مارا گیا۔

(۲) تحریک مازیار بن قارن: آذربائیجان میں یہ تحریک ۲۲۴ھ میں ہوئی۔ اس شخص نے جو معتصم کا مخالف تھا، اسلام کی شدید مخالفت، پورے طبرستان سے اسے مٹا دینے اور زرتشی مذہب کے احیا کی غرض سے یہ تحریک شروع کی تھی لیکن اس کے چچازاد بھائی کوہیار کی بعض کوتاہیوں اور خیانتوں کے سبب اور اُس دباؤ کے پیشِ نظر جو دو طرف سے یعنی آلِ طاہر اور خلیفہ کے سپاہیوں کی جانب سے اس پر پڑ رہا تھا، ۲۲۴ھ میں اسے گرفتار کر لیا گیا اور ۲۲۵ھ میں سامرا میں قتل کر دیا گیا۔

اسی سال ایک زبردست ایرانی سردار افشین خَیذَر بن کاوس پر معتصم کے حکم سے مقدمہ چلا کیوں کہ اس نے بابک کو ختم کرنے کے بعد بظاہر انقلاب کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مازیار سے بھی خط و کتابت کی تھی نیز اسے خلیفہ کے خلاف اکسایا تھا۔ یہ شخص ۲۲۶ھ میں معتصم کی قید میں مر گیا۔ یہ ایسا شخص ہے جو قومی تعصب، اسلام پر عدم اعتقاد اور کفر و زندقہ کے لیے مشہور ہے۔

قیام یعقوب لیث صفار اور حکومت صفاریہ کی تشکیل:

اگرچہ مذکورہ انقلابات میں اکثر بے نتیجہ ثابت ہوئے پھر بھی خلفا کی حکومت پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوئے تھے جن کے سبب ان میں کمزوری اور اختلافات پیدا ہو گئے اور دوسرے انقلابیوں اور آزادی پسندوں کے ساتھ ملتِ ایران کو بھی یہ موقع ملا کہ واقعاً وہ اپنی آزادی کے لیے کمرِ ہمت باندھ لے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے وسط اور اس کے بعد سے ایران کے مختلف حصوں میں خلافتِ بغداد کے ساتھ مسلسل تنازعہ جاری رہا۔ سابق الذکر انقلابیوں کے بعد جس پہلے شخص نے قیام کیا اور ایران کے ایک بڑے حصے کو زورِ شمشیر سے اپنے زیر نگیں کر لیا۔ وہ سیستان کا باشندہ، یعقوب بن لیث صفّار ہے۔

سیستان ان صوبوں میں تھا جو سنہ ۳۰ھ خلافت حضرت عثمان میں زبردست لڑائی کے بعد فتح ہوا تھا اور وہاں کا محافظ، ایران فرزند رستم، جب عرب سردار کے پاس گیا تو اسے اہریمن سے تشبیہ دی اور کہا: ''کہتے ہیں کہ اہریمن فرادید کے دن نہیں آتا اب اہریمن آ گیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں''۔

اور اس کے بعد بھی چند بار حکومت مسلمین کو قبول کرنے کی جستجو میں رہے اور اس کے بعض علاقوں میں مسلمانوں اور اہل سیستان کے مابین زبردست جنگیں ہوئیں۔ یہ صوبہ، خوارج کا ایک اہم گڑھ تھا اور چوں کہ حکومت اسلامی کے مرکز سے دُور تھا اس لیے انھوں نے اپنی پناہ گاہیں بنا رکھا تھا اور بنی امیہ اور بنی عباس کے تمام ادوار میں اُس وقت تک جب

حکومت، سیستانیوں کے ہاتھ میں، یہ صوبہ، خلفا بالخصوص خوارج کے مخالفین کے مابین کم ہی شدید جھڑپوں کا شاہد تھا۔

سیستان میں ایرانی قومیت اور زرتشی مذہب سے دلچسپی خلفا کی حکومت کے تمام ادوار میں بہت عروج پر تھی۔ علاوہ ازیں ہم جانتے ہیں کہ سیستان، اُن علاقوں میں ہے جو زرتشی مذہب کے اعتبار سے، بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ وہاں فروھر، کرشاسپ کی محافظت کرتے ہیں۔ سوشیانس آخری زمانے میں وہاں سے ظہور کرے گا۔ اسی لیے وہاں مدتوں تک زرتشی مذہب اور اس کے مذہبی مراکز باقی بچ گئے تھے۔

ایران کی قومی روایات بھی اس دیار میں دوسرے تمام علاقوں سے زیادہ محفوظ رہیں، اور ان روایات کا ایک حصہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، اس علاقے سے براہ راست مربوط ہے اور وہ خاندانِ کرشاسپ سے متعلق داستانیں، سیستان میں زباں زد تھیں اور چوں کہ وہ سب رزمیہ اور فخر و مباہات کی حامل تھیں لہٰذا فطری طور پر سیستانیوں میں جذبۂ قومی کو ابھارا کرتی تھیں۔

ان عوامل نے یعنی مرکز خلافت سے دوری، اس صوبے کے زیادہ تر لوگوں کا مذہب زرتشت کا ماننا اور ان کے دینی مراکز کا باقی بچے رہنا، عربوں اور ان کے خلفا کے متعین کردہ حکام کے خلاف مسلسل تحریکیں، خاندان گرشاسپ سے متعلق رزمیہ داستانوں کی موجودگی، اس سرزمین میں خوارج کی تحریکیں اور ان جیسے دوسرے عوامل نے سیستان کے عوام کو فطری طور پر وطن پرست اور قومیت نیز قومی آداب و رسوم سے لگاؤ، آزادی اور خلافت اسلامی پر عدم اعتماد کے علاوہ علاحدہ حکومت کا خواہاں بنا دیا تھا اور ایسے ہی ماحول اور حالات میں یعقوب لیث صفّار جیسے بہادر شخص کا ظہور ہوا۔

یعقوب کے قیام اور اس قیام کی تفصیلات و خصوصیات پر روشنی ڈالنے سے قبل اس کی خوارج اور عیّاروں سے گہری وابستگی کے بارے میں مختصر طور بیان کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا سیستان، خوارج کا ایک اہم مرکز تھا کیوں کہ یہ علاقہ، مرکز خلافت سے دور تھا، علاوہ ازیں ایک بڑا ریگستانی علاقہ ہونے کے سبب دیگر علاقوں سے بھی علاحدہ تھا۔ اسی لیے خوارج نے اسے اپنی اہم ترین پناہ گاہ بنا رکھا تھا۔ یہ خوارج زیادہ تر سیستان کے ہی باشندے تھے۔ گویا اس مذہبی انقلاب سے ان کا مقصد عربوں کے قبضے سے اپنی سرزمین کو آزاد کرانا تھا اور اتفاقاً سیستان میں اس گروہ کے بڑے بڑے پیشوا، ایرانی تھے۔

یعقوب کے ظہور میں آنے سے کچھ پہلے جس آخری بڑے خارجی نے سیستان میں ظہور کیا تھا اور فارس و کرمان و سیستان و خراسان میں خلفا کا ناطقہ بند کر دیا تھا، وہ حمزہ بن آذرک شاری معروف بہ حمزۃ بن عبداللہ خارجی ہے۔ یہ شخص اپنا سلسلۂ زَوْ طہما سب تک پہنچا تھا۔ اور چوں کہ ایک امیر نے اس سے بدتمیزی کی تھی اس لیے اُس نے جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ حج کے لیے گیا اور جب واپس آیا تو خلف خارجی کے حواری کے ساتھ ہو گیا۔ نتیجے میں ایک بڑی فوج تیار ہو گئی جس نے ہارون الرشید کے امرا کو شکست دی اور سیستان کے لوگوں کو امرائے خلافت کو خراج نہ دینے کی تاکید کی اور خود بھی عوام

سے کچھ نہیں لیا۔ اس کے بعد سیستان سے بغداد کو کوئی خراج نہیں بھیجا گیا۔ پھر حمزہ نے خراسان کے حاکم علی بن عیسیٰ اور اس کے سرداروں سے زبردست لڑائیاں لڑیں اور کرمان وخراسان وسیستان کو خلیفہ اور اس کے امرا کے لیے تباہ و برباد کر دیا۔ جب علی بن عیسی نے ہارون سے مدد طلب کی اور خلیفہ تن تنہا ۱۹۲ھ میں مجبوراً خراسان گیا۔ حمزہ کو امان طلبی کا ایک خط لکھا لیکن وہ صلح کے لیے تیار نہیں ہوا اور خلیفہ سے جنگ کے لیے تیس ہزار سپاہیوں کا لشکر جمع کر لیا اور نیشاپور تک پیش قدمی کر ڈالی۔ لیکن جب اس نے یہاں سنا کہ ہارون کا انتقال ہو گیا ہے تو غز، سندھ اور ہند کی طرف چلا گیا اور اپنے سواروں میں سے صرف پانچ ہزار کو خراسان وسیستان اور فارس وکرمان میں تعینات کیا اور کہا کہ 'ان ظالموں کو کمزوروں پر ظلم کرنے کا موقع نہ دیں'۔ حمزہ نے مامون کے عہد میں اور کچھ عرصہ طاہریوں کے زمانے میں بھی گزارا پھر ۲۱۳ھ میں چل بسا۔

حمزہ کے بعد سیستان میں خوارج کا سب سے بڑا پیشوا، عمار خارجی ہوا جس نے متوکل علی اللہ کے عہدِ خلافت میں کش کے علاقے سے خروج کیا تھا اور سیستان میں اپنا اثر قائم کیا۔ وہ یعقوب بن لیث صفاری کے ابتدائے کار کے وقت ہی سامنے آیا تھا۔

اس عہد میں سیستان میں ایک اور گروہ بھی تھا جس کا نام 'عیّاران' تھا۔ عیّاران یا جوانمردان یافتیان، ایران کا ایک سماجی طبقہ تھا جو بڑا ہوشیار اور چالاک تھا۔ اس کے مخصوص آداب ورسوم اور اس کی مخصوص تنظیمیں تھیں جو ہنگاموں، آشوبوں اور جنگوں میں خودنمائی کیا کرتا۔ یہ بیشتر گروہوں میں بٹ کر کبھی امرا کی مدد کرتا یا ان کے مخالف گروہوں کے خلاف ڈٹ جاتا اور ان کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر لڑتا تھا۔ تواریخ سے ایسا پتا چلتا ہے کہ عہد بنی عباس میں بغداد، سیستان وخراسان میں ان لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ عام طور پر ان دستوں کے سردار اور پیشوا بھی ہوا کرتے تھے جو بقول صاحب تاریخ سیستان 'سرہنگ' کہلاتے تھے۔ 'عیّاران' جنگجو، بہادر اور جواں مرد تھے۔ ان میں مردانگی کی اعلیٰ صفات پائی جاتی تھیں۔ وہ کمزوروں کے ساتھ تھے۔ سیستان وخراسان کے اکثر شہروں میں وہ پائے جاتے تھے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ان کی تعداد بعض شہروں میں چند ہزار افراد تک پہنچ جاتی۔ ہر شہر میں ان کا ایک سردار ہوتا تھا اور جیسا کہ سطور گزشتہ میں کہا گیا کہ اسے 'سرہنگ' کہا جاتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ 'عیّاران' کی تعداد کی مناسبت سے بعض شہروں میں چند 'سرہنگ' ہوتے ہوں۔

تاریخ سیستان کے مطابق عیارانِ سیستان، اکثر مواقع پر حکومت عباسیہ کے مخالفین کے ساتھ تھے اور ان کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے مثلاً حمزہ بن عبداللہ خارجی کے قیام کے دوران ابوالعریان نامی ایک شخص جو عیاروں کا ایک سرہنگ تھا، اس کے ہمراہ تھا اور ''یہ ابوالعریان، سیستان کا عیّار تھا اور سرہنگوں میں شامل تھا نیز غوغا اس کے ساتھ تھے''۔ اس کے بعد ایک اور شخص یعنی حرب بن عبیدہ کا نام ملتا ہے جس نے خوارش میں ظہور کیا ''اور غوغا کے بہت سے گروہ اس کے ساتھ تھے''۔ اس نے خلیفہ کے امیر اشعث بن محمد بن الاشعث کے شکست دی۔ بعض حکام نے بھی ان کے حیلوں کے امیر اشعث بن محمد بن الاشعث کو شکست دی۔ بعض حکام نے بھی ان کے حیلوں سے محفوظ رہنے کے لیے ان

کے ساتھ بڑے اچھے سلوک کیے تھے چنانچہ لیث بن فضل نے جو اشعث بن محمد بن الاشعث کے بعد والی سیستان ہوا تھا ''جو کچھ سیستان میں ہاتھ آیا، اس سے کھانا تیار کرایا اور سیستان کے عیّاروں کو مہمان کر کے انھیں خلعت سے نوازا۔ سیستان میں طاہریوں کے ایک حکمراں محمد بن یزید کے عہد میں وہاں کے ایک عیار نے قیام کیا اور کچھ دنوں تک اس سے نیز طاہریوں کے ایک دوسرے حاکم، حسین بن علی سے جنگ کرتا رہا''۔ پھر بَست سے ایک دوسرا شخص اٹھا جسے احمد قولی کہتے تھے اور بَست وسیستان کے عیّار اور جنگجو اس کے پاس جمع ہو گئے۔ تست سے پھر ایک شخص صالح بن النصر برادر عشان بن نصر بن مالک نے خروج کیا جس کے اردگرد بَست اور سیستان کے بہت سے لوگ اکٹھا ہو گئے اور یعقوب بن اللیث اور سیستان کے عیاروں نے اس کی طاقت میں اضافہ کیا''۔۔۔''صالح بن نصر کا دائرۂ کار بست میں بہت بڑھ گیا جس میں اسلحے، سپاہ، خزانہ اور افراد شامل تھے اور اس کی تمام فوجی قوت، یعقوب بن اللیث اور عیّاران سیستان کے دَم سے تھی اور یہ یعقوب کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا''۔

عیاروں کے سلسلے میں تاریخِ سیستان سے مختلف امور کے بارے میں اقتباسات نقل کرنے کا سلسلہ یعقوب بن اللیث تک بڑھ گیا۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ ایران کا یہ عظیم انسان، سیستان کے عیاروں کے گروہ سے تھا جو اپنے ابتدائی زمانے میں صالح بن نصر بن مالک بستی کے گروہ میں شامل تھا جس نے طاہری حکمراں کے خلاف خروج کیا تھا۔ اس صالح بن نصر کے بھائی یعنی عشان بن مالک نے طاہر بن عبداللہ بن طاہر کی حکومت کے دوران خراسان وسیستان میں اس کے حاکم کے خلاف خروج کیا اور مارا گیا اور اس کا بھائی صالح، اس کے قتل کے بعد اس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اٹھا اور بہت جلد سیستان کے لوگوں خاص کر عیاروں کا ایک بڑا گروہ، اس کے پاس جمع ہو گیا جن میں یعقوب بن لیث صفّاری نام کا عیاروں کا ایک کمانڈر بھی تھا۔ وہی جو اپنا سلسلۂ نسب، گرشاسپ اور اس کے بعد جمشید تک پہنچاتا تھا، (درواقع) وہ قرنین (رستم کے گھوڑوں کے اصطبل) کے ایک ٹھٹھیرے کا بیٹا تھا۔ یہ سیستان کا ایک گاؤں ہے۔ اس زمانے کے تمام اہل سیستان کی طرح وہ بھی محب وطن، خلیق اور ایرانی تہذیب کا نمائندہ تھا۔ اس کا تعلق عیاروں کے مشہور گروہ سے تھا۔ وہ اپنی لیاقت وشجاعت، مہربانی وجوانمردی کے سبب بہت محبوب ہو گیا تھا۔ ایک گروہ اُس کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ پھر اس کا شمار، سیستان کے عیاروں کے کمانڈروں میں ہونے لگا۔ جب صالح بن نصر نے طاہر بن عبداللہ (۲۲۰-۲۴۸ھ) کے امیر کے خلاف خروج کیا تو وہ (یعقوب) اس کے طرف داروں اور ساتھیوں میں شامل تھا اور جیسا کہ ہم نے دیکھا بہت جلد صالح کے اہم ساتھیوں میں اس شمار ہونے لگا۔ پھر صالح نے یعقوب اور سیستان کے دیگر عیاروں کی مدد سے اس صوبے پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثنا میں عمّار خارجی نے سیستان میں خروج کیا مگر یعقوب نے اس کو ختم کر دیا۔ وہ بدستور اپنے کام میں اور رات دن مہموں کی انجام دہی میں مشغول رہتا۔ یہاں تک کہ دوسرے عیاروں کے ساتھ مل کر صالح بن نصر کے خلاف جو عوام کے اموال کی ضبطی اور شہروں کو غارت کر رہا تھا، دھاوا بولا اور ۲۴۸ھ میں ہونے والی جنگ میں اس کا کام تمام

کر دیا۔ اسی سال کے ماہ محرم میں سیستان میں سابق الذکر صالح بن نصر، عمار خارجی اور رتبیل (رتبیل) بادشاہِ کابل جیسے اپنے مخالفین کو کچلنے اور اسلحے کے حصول کے لیے کوشاں رہا۔ اسی سال سے اس نے اپنی قلم رو میں اضافہ کرنا شروع کر دیا اور کرمان کو ایک ہی حملے میں اپنے قبضے میں لے لیا۔ ۲۵۹ھ میں خراسان کو فتح کیا اور محمد بن طاہر، طاہریوں کے آخری فرد کو گرفتار کر کے سیستان بھیج دیا اور نیشاپور سے گرگان وطبرستان کی طرف چلا گیا۔ حسن بن زید علوی کو شکست دی اور ۲۶۱ھ میں فارس کو فتح کیا۔ اسی دوران خلیفہ معتمد کو خط لکھ کر اس کی اور اس کے بھائی اور ولی عہد موفق کی اطاعت کا اظہار کیا اور خلیفہ نے بھی اسی سال خراسان، طبرستان، گرگان، فارس، کرمان، سندھ و ہند کی حکومتوں اور شرطۂ بغداد کا فرمان یعقوب کو بھیجا لیکن یعقوب نے اسی سال بغیر کسی تمہید کے خلیفہ معتمد پر اپنی مخالفت کو آشکار کر دیا اور ایک عظیم لشکر کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہوا۔ اس جنگ میں جو یعقوب اور معتمد کے بھائی موفق کے مابین ہوئی، پہلے خلیفہ کے سپاہیوں کو شکست ہوئی۔ لیکن انھوں نے دجلہ کے پانی کو یعقوب کے فوجی ٹھکانے تک پہنچا دیا جس کے سبب اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اسے دوبارہ فوج اکٹھا کرنے کے لیے مجبوراً جندی شاپور جانا پڑا۔ لیکن یہاں وہ قولنج کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو جاتا ہے (۲۶۵ھ)۔

اس کے بعد اس کا بھائی عمرو، خلیفہ سے صلح کر لیتا ہے اور خلیفہ نے وہ تمام ممالک جو اس کے بھائی کو سونپے تھے، عمرو کے حوالے کر دیے۔ اس طرح ایران میں ایک مضبوط اور باشکوہ سلسلہ قائم ہو سکا۔ ۲۸۷ھ میں امیر اسمٰعیل سامانی نے خلیفہ کے کہنے سے جو عمرو سے خائف تھا، اس سے جنگ کی اور ایک ناگہانی حادثے میں عمرو کو شکست دے دی۔ اس کے بعد سے صفاری حکومت کی شان وشوکت اور جاہ وجلال میں کمی آنے لگی۔ لیکن عمرو کے جانشین چھوٹے چھوٹے امرا بدستور سیستان پر حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ ۳۹۳ھ میں محمود غزنوی نے ان کے خاندانی سلسلے کو ختم کر دیا۔

یعقوب کی زندگی پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ محب وطن اور قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا۔ قومیت سے اس کی وابستگی، اس کے ماحول کی عام تربیت کا نتیجہ تھی اور وہ عوامل تھے جن کے بارے میں اس سے پہلے تفصیل سے گفتگو کی جا چکی ہے۔ انھی عوامل کے زیر اثر ایسا لگتا ہے کہ یعقوب نے اپنے قیام میں صرف ملک گیری اور کشور کشائی کو ہی مدنظر نہیں رکھا تھا۔ اگر ایسا ہوتا اور وہ حکومت کے لیے کوشش کرتا تو یقیناً بغداد کی طرف پیش رفت کے وقت وہ خلیفہ کی دلجوئی کی باتوں کو مان لیتا اور ان وسیع وعریض علاقوں پر راضی ہو جاتا جو خلیفہ اسے دے رہا تھا لیکن یعقوب نے بظاہر اُس منصوبے کے مطابق بغداد پر حملہ کیا تھا جو اس کے بعد مداویج بن زیار کے پاس تھا اور وہ منصوبہ ایک وسیع اور آزاد ایرانی حکومت کی تشکیل کا منصوبہ تھا۔ اس نے ''بہت کہا کہ عباسیوں کی حکومت کی بنیاد عہد شکنی، بے وفائی اور مکر پر رکھی گئی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ ابوسلمہ اور ابومسلم وآل برامکہ وفضل بن سہل کے ساتھ اس وفاداری کے باوجود، جو انھوں نے اس حکومت سے کی، کیا سلوک کیا؟ کوئی اُن پر اعتماد نہ کرے''۔

یعقوب کوایرانی آداب ورسول کر اپنی زبان سے بہت گہری دل چسپی تھی۔ وہ عربی نہیں جانتا تھا یا جان بوجھ کر نہ جاننے کا اظہار کرتا تھا اور یہی چیز جیسا کہ ملاحظہ کریں گے، شاعروں کو عربی کے بجاے فارسی میں فتح نامہ یا تہنیت نامہ لکھنے کا حکم دینے کا باعث بنی تھی۔ اور یہ بات خود مشرقی ایران کے سلاطین کے درباروں میں فارسی شاعری کے رواج کی ایک دلیل ہے۔

یعقوب کے تمام جانشینوں نے اس کی سیرت پر عمل کیا اور ان میں سے بعض مثلاً ابوجعفر احمد بن محمد اور خلف بن احمد خود عالم و فاضل اور علم ادب سے دلچسپی رکھنے والے لوگ تھے چنانچہ خلف نے قرآن کی ایک مفصل تفسیر لکھنے کا حکم دیا اور وہ خود علما و شعرا کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

اس طرح مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ یعقوب نے ایک آزاد ایرانی حکومت قائم کر کے سب پہلے اس پرانے طریقے کو ختم کیا جس میں خلیفہ (حتی طاہریان) کی طرف سے حکمراں منتخب کیا جاتا تھا۔ اس نے ایک ایسی حکومت قائم کی جو صحیح معنوں میں تمام امور میں خودمختار تھی اور صرف بظاہر خلیفہ کے فرمان کی اطاعت کرتی تھی۔ دوسرے، اس کی آزادی اور صفاری حکومت کے قیام، اپنی زبان سے گہری دل چسپی اور دربار میں عربی کا رواج نہ ہونے کے سبب ایرانی قوم اپنی آزادی کے سب سے بڑے عنصر یعنی اپنی زبان کو زندہ کرنے میں کامیاب ہوئی اور چند سال بعد جب ایران کی سرکاری اور درباری زبان، عربی ہوگئی تھی، دری کو اس کا جانشین بنایا اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں، اس کے بعد بھی بے کم و کاست یہی عمل سامانیوں کے دور میں جاری رہا جس کے نتیجے میں فارسی کا بے پناہ ادب وجود میں آیا اور ملتِ ایران، حقیقت میں دیگر اسلامی اقوام سے جدا ہوگئی۔

یعقوب اور عمرو کی مستقل کے قیام سے جو صرف مذہبی معاملات، آداب ورسول کے تحفظ اور ظاہری مراسم میں بغداد کے ساتھ ارتباط رکھتی تھیں، وہ عظیم رکاوٹ ختم ہوگئی جو ایرانیوں کی آزادی کی راہ میں حائل تھی اور اس تاریخ کے بعد سے سامانی، زیاری، بویہی، غزنوی اور ایران کے دیگر امرا سب کے سب بظاہر دربارِ خلیفہ کے تابع تو رہے لیکن درحقیقت، آزاد اور اپنے مخصوص سلطنتی اور اداری تشکیلات کے حامل تھے۔

مآخذ:

۱۔ اس طرح:۔قبادودوم۔اردشیر سوم۔جوانسیر۔پوراندخت۔گشنسب بندہ۔آزرمیدخت۔ھرمز پنجم۔خسرو چہارم۔فیروز دوم۔خسرو پنجم۔

۲۔ کامل التواریخ، وقائع سال ۱۲۲ھ

۳۔ ابومسلم خراسانی اور اس کے قیام اور بنی عباس کی خلافت کے حصول کی کوشش کے لیے درج ذیل مآخذ ملاحظہ کریں۔

الکامل ابن الاثیر، جلد ۵ درحوادث سالہای مربوط؛ عقد الفرید، جلد ۲ طبع مصر؛ تبصرۃ العوام فی معرفۃ مقالات الانام، سید مرتضی بن داعی، طبع تہران؛ وفیات الاعیان ابن خلکان، طبع مصر؛ تاریخ رویان اولیاء اللہ، طبع تہران؛ کتاب الوزراء والکتاب جہشیاری، طبع مصر؛

تاریخ بخارا نرشخی، طبع تہران؛ مجمل التواریخ والقصص، طبع تہران؛ تجارب السلف ھندو شاہ بن سنجر نخجوانی، طبع تہران؛ الفخری ابن الطقطقی، طبع مصر؛ الفرق بین الفرق البغدادی، طبع مصر؛ الملل والنحل شہرستانی، طبع تہران؛ اخبار اصفہانی ابی نعیم، طبع لیڈن؛ تاریخ سیستان، طبع تہران؛ اور چند دوسرے مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۴۔ ان تمام کے سلسلے میں ملاحظہ کریں: تاریخ التمدن الاسلامی، طبع دوم، جلد ۴، از ص: ۱۸ بہ بعد وص: ۹۱-۹۶؛ ضحیٰ الاسلام، طبع سوم، جلد ۱، از ص: ۱۸ بہ بعد۔ ادب کی قدیم کتابوں مثلاً کامل (ج ۱۔ ص: ۲۷۳)، والاغانی۔ طبع مصر، (ج ۱۵، ص: ۱۵۰) وغیرہ میں بھی اشارے موجود ہیں۔

۵۔ (۱)۔ نج: سید کریم (۲)۔ بلج: سفید رو (۳)۔ اجرد: نجیب (۴)۔ عتاق: آزاد لوگ (۵)۔ مسامیح: سخی لوگ (۶)۔ مطاعیم: طعام دینے والے (۷)۔ زحف: حملہ کرنا (۸)۔ ضحیٰ الاسلام، ج ۱، ص: ۳۱-۳۲؛ (۹)۔ کامل التواریخ، وقائع سال ۱۲۸ھ۔ (۱۰)۔ کامل التواریخ، وقائع سال ۱۳۰۔

۶۔ (۱) اس سلسلے میں رجوع کریں: تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۲، ص: ۲۹ و ۳۰ و ۳۱، طبع دوم (۲)۔ عری: برہنگی (۳)۔ عقار: شراب (۴)۔ اطار: ظرف مدور (۵)۔ روغ: کمر وحیلہ (۶)۔ انتشاح: شمشیر حمائل کرنا (۷)۔ الاغانی، طبع مصر ۳/ ۲۳ (۸)۔ نبیط: نبطی، مراد کسان ہے۔

Abstract

From the invasions of the Arabs to the third century Hijri, the political, social, scholarly and literary landscapes are important to understand the discourse of history of the area. The Iranian society at the time of these invasions had little to sustain which led to defeat the Sasani government. This article also pointed out about the tribe known as Mawali and their existence in the Arabs' land. It highlights the movement dubbed as Shoaobia as it was significant to learn how the Arabs were dethroned from Iran and how Iran came to power. The article discusses many social, political and military movements as well.

Keywords: Arab invasions, Iran's political, social, scholaryly and literary landscape, Abu Muslim, Yaqoob bin Lais, Sasani government, Mawali tribe, Shoaobia movement.